فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ (قرآن)

ماہنامہ

مُحدِّث

لاہور

مدیر:-

حافظ عبدالرحمٰن مدنی

مجلس التحقیق الاسلامی - لاہور ۱۶

ماہنامہ محدث لاہور

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارف

مُدیر اعلیٰ: حافظ عبدالرحمٰن مدنی **مُدیر:** ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا- کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیمِ ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین ودانشور حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ نے اس کا اِجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی وکامرانی سے شائع ہورہاہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم وفضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیرِ بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: ۲۰روپے **زرِ سالانہ:** ۲۰۰روپے **بیرون ملک:** ۲۰ڈالر

بذریعہ منی آرڈر/بینک ڈرافٹ ۲۰۰روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی و تحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔ **ایڈریس:** ماہنامہ محدث، ۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 042 - 3586639 / 35866476 **موبائل:** 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.mohaddis.com __ www.kitabosunnat.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے مُحدث کے مقاصد

☜ عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!

لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

☜ علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!

لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

☜ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!

لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

☜ تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

☜ آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

☜ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ **محدث** لاہور

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!

کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

ملّتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلّہ

ماہنامہ

مُحدّث

لاہور

جلد ۱	جمادی الاولیٰ ۱۳۹۱ھ جولائی ۱۹۷۱ء	عدد ۸

مدیر : حافظ عبدالرحمٰن مدنی (رُوڑی)

مقامِ اشاعت

مدرسہ رحمانیہ (رجسٹرڈ) گارڈن ٹاؤن ○ لاہور ۱۶

ناشر : حافظ عبدالرحمٰن مدنی طابع : رشید احمد چودھری مطبع : مکتبۂ جدید پریس ۱۰ شارع فاطمہ جناح۔ لاہور
قیمت : فی مجلّہ ۹۰ پیسے

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فکر و نظر

اسلامی ریاست کے بنیادی اصول

صدرِ پاکستان جناب آغا محمد یحییٰ خان نے ۲۸ جون ۱۹۷۱ء کی اپنی نشری تقریر میں قوم سے خطاب کرتے ہوئے ملک کے سیاسی مستقبل کا جو لائحہ عمل پیش کیا ہے، ہم اس کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ:

"ملک کا آئین بنانے کا کام ماہرین کی ایک کمیٹی کر رہی ہے۔ یہ کمیٹی مسودہ تیار کر کے صدرِ مملکت کو پیش کرے گی اور وہ مختلف راہنماؤں اور ارکانِ اسمبلی سے مشورہ کے بعد اسے آخری شکل دیں گے"

اس سلسلے میں صدر یحییٰ خان نے قیامِ پاکستان کے مقاصد پورے کرنے اور ملک کے مختلف طبقوں کے لیے معاشرتی اور اقتصادی انصاف کی ضمانت مہیا کرنے کے لیے اسلامی آئین کے جن نیک جذبات کا اظہار کیا ہے وہ قابلِ صد تحسین ہیں، جس پر ہم انہیں ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں۔

ہمیں امید ہے کہ پاکستان کی جغرافیائی سالمیت کو محفوظ کرنے کے اقدام کے بعد آئینی طور پر اس کی نظریاتی سالمیت کے تحفظ اور استحکام کے لیے یہ فیصلہ ایک ایسا ہی عظیم کام ہو گا جس سے وہ لادین قوتیں مایوس ہو جائیں گی جو قوم کو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی عظیم قربانیوں سے غافل کر کے اپنے ان مذموم مقاصد کو پورے کرنے پر تلی ہوئی ہیں جو انہیں اپنے مغربی یا مشرقی آقاؤں سے ورثہ میں ملے ہیں۔

آئین کمیٹی سے حسنِ ظن کی بنا پر ہم امید کرتے ہیں کہ وہ صدرِ پاکستان کی ہدایات کے مطابق اسلامی دستور تیار کرنے کے لیے مسلمانانِ پاکستان کی سابقہ جد و جہد کو سامنے رکھے گی، خصوصاً پاکستان کے ہر مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے اسم علماء نے جو "اسلامی مملکت کے بنیادی اصول" ۲۲ نکات کی شکل میں پیش کیے

تھے، انہیں ہمارے نزدیک دو اہم وجوہ کی بنا پر دستور کی اساس بنانا لازمی ہے۔ اوّل یہ کہ یہ علماء جملہ اسلامی فرقوں کے نمائندہ علماء اور ملک کے عوام کی دینی اور روحانی وابستگی کا مرکز ہیں جنہیں پاکستانی عوام کے جذبات کا نشان قرار دیا جاتا ہے۔ ثانیاً ان علماء نے ۲۲ نکات پر مشتمل یہ آئینی سفارشات متفقہ طور پر طے کی تھیں جبکہ لادین عناصر مسلمانوں کے مذہبی اختلافات کی وجہ سے کسی متفقہ آئین کو ناممکن قرار دیتے تھے۔ مزید برآں ان نکات نے اس غلط پروپیگنڈے کا طلسم بھی توڑ ڈالا کہ دورِ جدید کے مقتضیات کو ملحوظ رکھتے ہوئے کسی اسلامی آئین کا وجود ممکن نہیں۔ ۳۱ علماء کے اسماءِ گرامی اور بائیس نکات درج ذیل ہیں جنہیں مسلمان کسی ذہنی مرعوبیت کے بغیر اسلامی فلاحی ریاست کے بنیادی خاکے کے طور پر کسی جدید سے جدید ترقی یافتہ آئینی خاکے کے مقابلے میں پیش کر کے اسلام کی سیاسی برتری ثابت کر سکتے ہیں۔

اسماءِ علماءِ کرام

۱. علامہ سید سلیمان ندوی (صدر مجلس)

۲. (مولانا) احمد علی (امیر انجمن خدام الدین۔ لاہور)

۳. (مولانا) سید ابوالاعلیٰ مودودی (امیر جماعت اسلامی پاکستان)

۴. (مولانا) محمد بدر عالم (استاذ الحدیث۔ دار العلوم الاسلامیہ اشرف آباد ٹنڈو الٰہ یار سندھ)

۵. (مولانا) احتشام الحق تھانوی (مہتمم دار العلوم الاسلامیہ اشرف آباد سندھ)

۶. (مولانا) عبد الحامد قادری بدایونی (صدر جمعیۃ علمائے پاکستان سندھ)

۷. (مفتی) محمد شفیع (رکن بورڈ آف تعلیمات اسلام مجلس دستور ساز پاکستان)

۸. (مولانا) محمد ادریس (شیخ الجامعہ۔ جامعہ عباسیہ بہاول پور)

۹. (مولانا) خیر محمد (مہتمم مدرسہ خیر المدارس۔ ملتان شہر)

۱۰. (مولانا مفتی) محمد حسن (مہتمم مدرسہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور)

۱۱. (پیر صاحب) محمد امین الحسنات (مانکی شریف۔ سرحد)

۱۲. (مولانا) محمد یوسف بنوری (شیخ التفسیر دار العلوم الاسلامیہ اشرف آباد سندھ)

۱۳۔ (حاجی) خادم الاسلام محمد امین (خلیفہ حاجی ترنگ زئی، المجاہد آباد پشاور صوبہ سرحد)
۱۴۔ (قاضی) عبدالصمد سربازی (قاضی قلات۔ بلوچستان)
۱۵۔ (مولانا) اطہر علی (صدر عامل جمعیۃ علمائے اسلام مشرقی پاکستان)
۱۶۔ (مولانا) ابو جعفر محمد صالح (امیر جمعیت حزب اللہ مشرقی پاکستان)
۱۷۔ (مولانا) راغب احسن (نائب صدر جمعیۃ علمائے اسلام مشرقی پاکستان)
۱۸۔ (مولانا) محمد حبیب الرحمٰن (نائب صدر جمعیۃ المدرسین، سرسینہ شریف مشرقی پاکستان)
۱۹۔ (مولانا) محمد علی جالندھری (مجلس احرار اسلام پاکستان)
۲۰۔ (مولانا) داؤد غزنوی (صدر جمعیۃ اہل حدیث مغربی پاکستان)
۲۱۔ (مفتی حافظ) کفایت حسین مجتہد (ادارہ عالیہ تحفظ حقوق شیعہ پاکستان لاہور)
۲۲۔ (مولانا) محمد اسماعیل (ناظم جمعیۃ اہل حدیث پاکستان۔ گوجرانوالہ)
۲۳۔ (مولانا) حبیب اللہ (جامعہ دینیہ دارالہدیٰ ٹیڑھی، خیرپور)
۲۴۔ (مولانا) محمد صادق (مہتمم مدرسہ مظہر العلوم۔ کھڈہ۔ کراچی)
۲۵۔ پروفیسر عبدالخالق (رکن بورڈ آف تعلیمات اسلام، مجلس دستور ساز پاکستان)
۲۶۔ (مولانا) شمس الحق فرید پوری (صدر مہتمم مدرسہ اشرف العلوم ڈھاکہ)
۲۷۔ (مفتی) محمد صاحبداد عفی عنہ (سندھ مدرسۃ الاسلام۔ کراچی)
۲۸۔ (مولانا) محمد ظفر احمد انصاری (سیکرٹری بورڈ آف تعلیمات اسلام مجلس دستور ساز پاکستان)
۲۹۔ (پیر صاحب) محمد ہاشم مجددی (ٹنڈو سائیں داد۔ سندھ)
۳۰۔ (مولانا) شمس الحق افغانی (سابق وزیر معارف۔ ریاست قلات)

دستورِ اسلامی کے لئے علماء کرام کے متفقہ بائیس نکات

(۱) اصل حاکم تشریعی و تکوینی حیثیت سے اللہ رب العالمین ہے۔

(۲) ملک کا قانون کتاب و سنت پر مبنی ہوگا اور کوئی ایسا قانون نہ بنایا جا سکے گا، نہ کوئی ایسا انتظامی حکم دیا جا سکے گا جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔

(تشریحی نوٹ) اگر ملک میں پہلے سے کچھ ایسے قوانین جاری ہوں جو کتاب و سنت کے خلاف ہوں تو اس کی تشریح ضروری ہے کہ وہ بتدریج ایک معینہ مدت کے اندر منسوخ یا شریعت کے مطابق تبدیل کر دیے جائیں گے۔

(۳) مملکت کسی جغرافیائی، نسلی، لسانی یا کسی اور تصور پر نہیں، بلکہ ان اصول و ضوابط پر مبنی ہوگی جن کی اساس اسلام کا پیش کیا ہوا ضابطۂ حیات ہے۔

(۴) اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ قرآن و سنت کے بتائے ہوئے معروفات کو قائم کرے، منکرات کو مٹائے اور شعائرِ اسلامی کے احیاء و اعلاء اور مسلمہ اسلامی فرقوں کے لیے ان کے اپنے مذہب کے مطابق ضروری اسلامی تعلیم کا انتظام کرے۔

(۵) اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ وہ مسلمانانِ عالم کے رشتۂ اتحاد و اخوت کو قوی سے قوی تر کرنے اور ریاست کے مسلم باشندوں کے درمیان عصبیت جاہلیت کی بنیادوں پر نسلی و لسانی، علاقائی یا دیگر مادی امتیازات کے ابھرنے کی راہیں مسدود کر کے ملتِ اسلامیہ کی وحدت کے تحفظ کا انتظام کرے۔

(۶) مملکت بلا امتیاز مذہب و نسل وغیرہ تمام ایسے لوگوں کی لابدی انسانی ضروریات یعنی غذا، لباس، مسکن، معالجہ اور تعلیم کی کفیل ہوگی، جو اکتساب رزق کے قابل نہ ہوں، یا نہ رہے ہوں یا عارضی طور پر بے روزگاری بیماری یا دوسرے وجوہ سے فی الحال سعیٔ اکتساب پر قادر نہ ہوں۔

(۷) باشندگانِ ملک کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو شریعتِ اسلامیہ نے ان کو عطا کیے ہیں یعنی حدود قانون کے اندر تحفظ جان و مال و آبرو، آزادیٔ مذہب و مسلک، آزادیٔ عبادت، آزادیٔ ذات، آزادیٔ اظہار رائے، آزادیٔ نقل و حرکت، آزادیٔ اجتماع، آزادیٔ اکتسابِ رزق، ترقی کے مواقع میں یکسانی اور رفاہی ادارات سے استفادہ کا حق۔

(۸) مذکورہ بالا حقوق میں سے کسی شہری کا کوئی حق اسلامی قانون کی سندِ جواز کے بغیر کسی وقت سلب نہ کیا جائے گا اور کسی جرم کے الزام میں کسی کو بغیر فراہمی موقعہ صفائی و فیصلۂ عدالت کوئی سزا نہ دی جائے گی۔

(۹) مسلّمہ اسلامی فرقوں کو حدودِ قانون کے اندر پوری مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ انہیں اپنے مذہب کی تعلیم دینے کا حق حاصل ہوگا۔ وہ اپنے خیالات کی آزادی کے ساتھ اشاعت کر سکیں گے۔ ان کے شخصی معاملات کے فیصلے ان کے اپنے فقہی مذہب کے مطابق ہوں گے اور ایسا انتظام کرنا مناسب ہوگا کہ انہی کے قاضی یہ فیصلے کریں۔

(۱۰) غیر مسلم باشندگانِ مملکت کو حدود قانون کے اندر مذہب و عبادت تہذیب و ثقافت اور مذہبی تعلیم کی پوری آزادی حاصل ہوگی اور انہیں اپنے شخصی معاملات کا فیصلہ اپنے مذہبی قانون یا رسم و رواج کے مطابق چلانے کا حق حاصل ہوگا۔

(۱۱) غیر مسلم باشندگانِ مملکت سے حدودِ شرعیہ کے اندر جو معاہدات کیے گئے ہوں ان کی پابندی لازمی ہوگی اور جن حقوقِ شہری کا ذکر دفعہ نمبر ۷ میں کیا گیا ہے۔ ان میں غیر مسلم باشندگانِ ملک سب برابر کے شریک ہوں گے۔

(۱۲) رئیسِ مملکت کا مسلمان مرد ہونا ضروری ہے جس کے تدین، صلاحیت اور اصابت رائے پر جمہور یا ان کے منتخب نمائندوں کو اعتماد ہو۔

(۱۳) رئیسِ مملکت ہی نظمِ مملکت کا اصل ذمہ دار ہوگا۔ البتہ وہ اپنے اختیارات کا کوئی جزو کسی فرد یا جماعت کو تفویض کر سکتا ہے۔

(۱۴) رئیسِ مملکت کی حکومت مستبدانہ نہیں بلکہ شورائی ہوگی۔ یعنی وہ ارکانِ حکومت اور منتخب نمائندگانِ جمہور سے مشورہ لے کر اپنے فرائض انجام دے گا۔

(۱۵) رئیسِ مملکت کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ دستور کو کلاً یا جزاً معطل کر کے شوریٰ کے بغیر حکومت کرنے لگے۔

(۱۶) جو جماعت رئیسِ مملکت کے انتخاب کی مجاز ہوگی وہی کثرتِ آراء سے اسے معزول کرنے کی بھی مجاز ہوگی۔

(۱۷) رئیسِ مملکت شہری حقوق میں عامۃ المسلمین کے برابر ہوگا اور قانونی مواخذہ سے بالاتر نہ ہوگا۔

(۱۸) ارکان و عمال حکومت اور عام شہریوں کے لیے ایک ہی قانون و ضابطہ ہوگا اور دونوں پر عام عدالتیں ہی اس کو نافذ کریں گی۔

(۱۹) محکمہ عدلیہ محکمہ انتظامیہ سے علیحدہ اور آزاد ہوگا تاکہ عدلیہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں ہیئت انتظامیہ سے اثر پذیر نہ ہو۔

(۲۰) ایسے افکار و نظریات کی تبلیغ و اشاعت ممنوع ہوگی جو مملکت اسلامی کے اساسی اصول و مبادی کے انہدام کا باعث ہوں۔

(۲۱) ملک کے مختلف ولایات و اقطاع مملکت واحدہ کے اجزاء انتظامی متصور ہوں گے۔ ان کی حیثیت نسلی لسانی یا قبائلی واحدہ جات کی نہیں بلکہ محض انتظامی علاقوں کی ہوگی جنہیں انتظامی سہولتوں کے پیش نظر مرکز کی سیادت کے تابع انتظامی اختیارات سپرد کرنا جائز ہوگا مگر انہیں مرکز سے علیحدگی کا حق حاصل نہ ہوگا۔

(۲۲) دستور کی کوئی ایسی تعبیر معتبر نہ ہوگی جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔

جُمادی الاولیٰ و جُمادی الاخریٰ

ان دونوں مہینوں کی فضیلت کے متعلق کوئی آیت یا حدیث نظر سے نہیں گذری جو عبادات عموماً سرانجام دی جاتی ہیں، اس ماہ میں بھی ان عبادات پر متوجہ رہنا چاہیئے۔

راقم الحروف کی پیدائش ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۲۴۸ھ بروز یکشنبہ ہوئی تھی، یکشنبہ کو لغت عرب میں یوم الاحد کہتے ہیں، خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کا قائل پیدا کیا، میری پیدائش کا وقت اشراق کا تھا، خدائے پاک نے میرے سینہ بے کینہ کو علم شرع و توحید کے آفتاب کا مشرق بنایا ہے۔ وللّٰه المنّة۔

(منقول از "اتباع الحسنة فی جملة ایام السنة" للعلامة السید محمد صدیق الحسن القنوجی رحمۃ اللہ علیہ)

مولانا محمد صاحب گنگن پوری

قسط نمبر ۲

عورت نکاح میں ولی کی محتاج کیوں ہے؟

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نکاح کرنے کرانے کی نسبت مردوں کی طرف کی ہے اور نکاح کرانے کا حکم بھی مردوں کو دیا ہے۔

① وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ (پ ۴ ع ۱۲)

اور اگر تم یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے میں بے انصافی سے ڈرو تو اور من پسند عورتوں سے نکاح کرلو۔

② وَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ اَنْ تَنْکِحُوْھُنَّ اِذَآ اٰتَیْتُمُوْھُنَّ اُجُوْرَھُنَّ (پ ۲۸ ع ۸)

یعنی مسلمان مہاجر عورتوں سے نکاح کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں جب تم ان کو مہر دے دو۔

③ فَانْکِحُوْھُنَّ بِاِذْنِ اَھْلِھِنَّ پ ۵ ع ۱

یعنی تم اگر حُرّہ عورت سے نکاح کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تو مالکوں سے اجازت لے کر لونڈیوں سے نکاح کرلو

④ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْکِحُوْھُنَّ (پ ۵ ع ۱۶)

یعنی تم یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے کی رغبت کرتے ہو۔

⑤ وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ مِنْکُمْ طَوْلًا اَنْ یَّنْکِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ (پ ۵ ع ۱)

یعنی جو تم سے مومنہ حُرّہ عورت سے نکاح کرنے کی طاقت نہ رکھے۔

⑥ اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِکَةً وَّالزَّانِیَةُ لَا یَنْکِحُھَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ (پ ۱۸ ع ۷)

یعنی زانی مرد زانیہ یا مشرکہ عورت سے ہی نکاح کرتا ہے اور زانیہ عورت سے بھی زانی یا مشرک مرد ہی نکاح کرتا ہے۔

⑦ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ (پ ۲ - ع ۱۲)

مشرکہ عورتوں سے نکاح مت کرو یہاں تک کہ ایماندار بن جائیں۔

⑧ وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ (پ ۴ - ع ۱۴)

تم ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمہارے باپ دادا نے نکاح کیا ہے۔

⑨ وَلَا تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا ط (پ ۲۲ - ع ۴)

یعنی تم اے مسلمانو! آپؐ کی وفات کے بعد ازواج مطہرات سے نکاح مت کرو

ان آیات میں نکاح کرنے کی نسبت مرد کی طرف کی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مرد کو نکاح کرنے میں ولی کی ضرورت نہیں یعنی ولی شرط نہیں۔

① وَأَنْكِحُوا الْأَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ پ ۱۸ - ع ۱۰

یعنی اے ولیو! اپنی بیوہ عورتوں اور نیک لونڈی اور غلاموں کا نکاح کرو

② قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنْكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ (پ ۲۰ - ع ۶)

شعیبؑ نے موسٰےؑ سے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کا نکاح تیرے ساتھ کر دوں۔

③ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتّٰى يُؤْمِنُوا (پ ۲ - ع ۱۱)

یعنی کافر آدمی جب تک مسلمان نہ ہو جائیں ان کو مسلمان عورتوں کا نکاح مت دو۔

ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ نکاح کرنے کا اختیار مرد ہی کو ہے۔ عورت کو نہیں۔ کیونکہ ان آیات میں نکاح کر دینے اور نہ کر دینے کا حکم اللہ تعالیٰ نے اولیاء کو دیا ہے۔ اس سے ہر عاقل اس نکتے کو سمجھ سکتا ہے جس کی ہم وضاحت کر رہے ہیں۔ چنانچہ تفاسیر میں ان آیات اور دیگر آیات سے استدلال کیا گیا ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح جائز نہیں۔ چنانچہ امام شوکانی نے اپنی تفسیر فتح القدیر میں آیت وَأَنْكِحُوا

الأَيَامىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ الآیۃ کے تحت لکھا ہے:

والخطاب فی الآیة للأولیاء وقیل للأزواج والأول أرجح وفیه دلیل علی أن المرأة لا تنکح نفسها وقد خالف فیه ابو حنیفة [1]

یعنی اس آیت میں خطاب ولیوں کو ہے اور کہا گیا ہے کہ خاوندوں کو ہے۔ لیکن پہلا صحیح ہے اور اس آیت میں دلیل ہے کہ عورت اپنا نکاح خود نہیں کر سکتی لیکن امام ابو حنیفہؒ کا اس میں اختلاف ہے۔

جامع البیان ص۳۰۳ میں ہے:

"وَأَنكِحُوا - ایها الأولیاء والسادة ــــــ یعنی اللہ تعالیٰ عورتوں کے ولیوں اور لونڈی غلاموں کے مالکوں کو حکم دیتے ہیں کہ ان کے نکاح کر دو"

اور تفسیر جمل میں ہے:

وَأَنكِحُوا الأَيَامىٰ مِنكُمْ - الخطاب للأولیاء والسادة وفیه دلیل علی وجوب تزویج المولیة والمملوک وذلک عند طلبها وطلبه واشعار بان المرأة والعبد لا یستبد ان به اذ لو استبدا لما وجب علی الولی والسید [2]

یعنی وانکحوا الایامیٰ منکم میں عورت کے ولیوں اور لونڈی غلاموں کے مالکوں کو خطاب (حکم) ہے کہ ان کے نکاح کر دو اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ عورت اور غلام کا نکاح کرنا فرض ہے جب کہ وہ مطالبہ کریں اور اس میں یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ عورت اور غلام اپنا نکاح خود نہیں کر سکتے۔ اگر وہ خود کر سکتے تو ولیوں اور مالکوں پر فرض نہ ہوتا۔

قاضی ابن العربیؒ کی احکام القرآن میں ہے:

المسئلة الثانیة فی المراد بالخطاب بقوله أَنكِحُوا۔ فقیل هم الأزواج

[1] تفسیر فتح القدیر الجامع بین فنی الروایة والدرایة من علم التفسیر ص۲۸ ج۴ [2] جمل ص۲۲۱ ج۳

وقیل هم الاولیاء من ثیب او سید والصحیح انهم الاولیاء لانه قال أَنْكِحُوا بالهمزة ولو اراد الازواج لقال ذلك بغیر همزة وكانت الالف للوصل وان كان بالهمز فی الازواج وجه فالظاهر اولی فلا یعدل الی غیره الا بدلیل ؎۱

یعنی دوسرا مسئلہ کہ أَنْكِحُوا کے مخاطب کون لوگ ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ خاوند ہیں اور بعض نے کہا کہ ولی اقرب اور مالک ہیں۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ اولیاء مراد ہیں کیونکہ أَنْكِحُوا میں ہمزہ قطعی ہے (اس لیے کہ باب افعال کا صیغۂ امر ہے) اگر خاوند مراد ہوتے تو ہمزہ وصلی ہونا چاہیے تھا جو باب ضَرَبَ یَضْرِبُ کا امر ہوتا۔ پس ظاہر اور راجح یہی ہے کہ اولیاء مراد ہیں۔ خاوند مراد لینا جائز نہیں کیونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں۔

ایک دوسرے مقام پر ایک اور آیت کے ماتحت قاضی ابن العربیؒ لکھتے ہیں:

قال علماءنا فی هذه الاٰیة دلیل علی ان النكاح الی الولی لاحظ للمرءة فیه لان صالح مدین تولاه وبه قال فقهاء الامصار وقال ابو حنیفة لا یفتقر النكاح الی ولی وعجبا له متی رای امراة قط عقدت نكاح نفسها ومن المشهور فی الاٰثار لا نكاح الا بولی وقال النبی صلی الله علیه وسلم ایما امراة نكحت نفسها بغیر اذن ولیها فنكاحها باطل فنكاحها باطل فنكاحها باطل ؎۲

یعنی ہمارے علماء نے کہا ہے کہ اس آیت اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَی ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ میں دلیل ہے اس پر کہ نکاح کرنا ولی کے اختیار میں ہے۔ عورت کا بغیر اجازت ولی کے کوئی اختیار نہیں کیونکہ مدین کے نیک انسان غالباً شعیبؑ نے خود ہی اپنی بیٹی کا موسیٰؑ کو نکاح دے دیا تھا۔ اور یہی شہروں اور ملکوں کے فقہاء کا فتویٰ ہے اور امام ابو حنیفہؒ نے کہا کہ

؎۱ احکام القرآن صـ ۱۳۶۴ - ج ۳ ؎۲ ایضاً ص ۱۴۶۴ - ج ۳

نکاح ولی کا محتاج نہیں اور ان پر بڑا تعجب ہے (کہ انہوں نے یہ غلط فتویٰ کس طرح دیا) انہوں نے کب دیکھا کہ کسی عورت نے اپنا نکاح خود کیا ہے۔ حالانکہ احادیث مشہور ہیں کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح جائز نہیں اور یہ کہ آپؐ نے فرمایا۔ جو عورت ولی کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح خود کرلے وہ نکاح باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے۔

اور آیت وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا کے متعلق ابن العربیؒ یوں لکھتے ہیں۔

المسئلة الثانية قال محمد بن علی بن حسین النكاح بولی فی كتاب الله ثم قرء وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ بضم التاء وھی مسئلة بديعة ودلالة صحيحة[1]

یعنی محمد بن علی بن حسینؒ نے فرمایا کہ نکاح بغیر اجازت ولی کے نہیں ہوتا۔ یہ کتاب اللہ میں موجود ہے پھر یہ آیت وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ پڑھی۔ ابن عربی فرماتے ہیں کہ واقعی یہ عجیب مسئلہ ہے اور دلالت صحیح ہے۔

اسی طرح آیت فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ کے بارہ میں لکھتے ہیں:۔

العضل يتصرف على وجوه مرجعها الى المنع وھو المراد ھاھنا فنھى الله تعالى اولياء المرءة من منعها عن نكاح من ترضاه وھذا دليل قاطع على ان المرءة لا حق لها فى مباشرة النكاح وانما ھو حق الولى خلافا لابى حنيفة ولو لا ذلك لما نهاه الله تعالى عن منعها وقد صح ان معقل بن يسار كانت له فطلقها زوجها فلما انقضت العدة خطبها فابى معقل فانزل الله تعالى هذه الاٰية ولو لم يكن له حق لقال الله تعالى لنبيه عليه السلام لا كلام لمعقل فى ذلك وفى الاٰية اسئلة كثيرة يقطعها هذا الحديث الصحيح خرجه البخارى[2]

یعنی عضل کئی معنوں میں مستعمل ہے۔ سب کا حاصل ممانعت ہے اور یہاں ممانعت ہی مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اولیاء کو حکم دیا ہے کہ عورت کو اس کے من پسند خاوند کرنے سے مت

[1] احکام القرآن ج ۱، ص ۱۵۸ [2] ایضاً۔ ج ۱۔ ص ۲۰۱

روکو۔ اور یہ آیت قطعی دلیل ہے کہ عورت کا نکاح کرنے میں ولی کی اجازت کے بغیر کوئی حق نہیں اور نکاح کی ولایت کا حق صرف مرد کو ہی ہے۔ خلافاً لابی حنیفہ۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اولیاءً کو یوں حکم نہ فرماتے کہ اے اولیاء تم عورتوں کو نکاح کرنے سے مت روکو (بلکہ یوں فرماتے کہ تمہارا اس بارے میں کچھ دخل نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بعض موقعہ پر اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا۔ لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ الآیہ یعنی اے نبی آپ کا اس امر میں کچھ دخل و اختیار نہیں) پس ثابت ہوا کہ نکاح ولی کا حق و اختیار ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ معقل بن یسارؓ کی ایک بہن تھی اس کو اس کے خاوند نے طلاق دے دی۔ جب عدت ختم ہوئی تو اس نے دوبارہ نکاح کرنے کی درخواست پیش کر دی۔ معقل نے انکار کیا کیونکہ یہ اپنی ہمشیرہ کا ولی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اگر معقل کا حق اور اختیار نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرما دیتے کہ معقل کا اس معاملہ میں کچھ دخل اور حق نہیں۔ اور اس آیت پر بہت سے سوالات وارد ہوتے ہیں جن سب کو معقل کی اس حدیثِ صحیح نے جس کو دیگر ائمہ کے علاوہ امام بخاریؒ نے بھی روایت کیا۔ ختم کر دیا ہے۔

اور تفسیر جلالین میں ہے:

فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ۔ خطاب للاولیاء ای لا تمنعوھن من (ان ینکحن ازواجھن) المطلقین لھن لان سبب نزولھا ان اخت معقل بن یسار طلقھا زوجھا فاراد ان یراجعھا فمنعھا معقل بن یسار کما رواہ الحاکم (جلالین مع جمل ج ۱ ص ۱۸۷)

یعنی فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ میں خطاب اولیاءِ عورت کو ہے یعنی اے ولیو! عورتوں کو ان کے خاوندوں سے جنہوں نے انہیں طلاق دی ہے نکاح کرنے سے مت منع کرو اور اس بات کی دلیل کہ اس آیت میں خطاب اولیاء کو ہے یہ ہے کہ یہ آیت معقل بن یسار کی بہن کے حق میں نازل ہوئی ہے جس کو اس کے خاوند نے طلاق دی تھی پھر وہ اس سے نکاح کرنا چاہتا تھا معقل بن یسار نے اپنی بہن کو نکاح سے منع کر دیا تھا۔ اس کو حاکم نے روایت کیا ہے۔

اور فتح الباری کتاب التفسیر میں ہے :۔

قوله باب (وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ) اتفق اهل التفسير على ان المخاطب بذلك الاولياء. ذكره ابن جرير وغيره

یعنی تمام مفسرین متفق ہیں کہ اس آیت میں مخاطب اولیاء ہیں

مذکورہ بالا آیات سے رئیس المحدثین امام المجتہدین حضرت امام بخاریؒ نے بھی صحیح بخاری میں نکاح میں ولایتِ ولی کے شرط ہونے پر استدلال کیا ہے جو آگے آئے گا۔

ولی کی شمولیت یا اجازت کے بغیر نکاح نہ ہونے پر اور آیات بھی پیش کی جا سکتی ہیں مگر فی الحال انہی پر کفایت کی جاتی ہے۔

پس مذکورہ بالا آیاتِ قرآنیہ سے روزِ روشن کی طرح ثابت اور واضح ہو گیا کہ عورت کا نکاح بغیر شمولیت یا اجازتِ ولی کے جائز نہیں کیونکہ نکاح کرنے کرانے کی نسبت اللہ تعالیٰ نے مردوں کی طرف کی ہے اور کل امور میں مرد ہی حاکم ہوتا ہے۔ نکاح میں بھی وہی حاکم ہو گا۔ اس کے خلاف جو دلائل پیش کیے جاتے ہیں ان کا جواب آخر میں دیا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

جب کوئی مسئلہ قرآن پاک سے ثابت ہو جائے تو دیگر دلائل کی ضرورت نہیں رہتی۔ مگر چونکہ انبیاء علیہم السلام کتاب اللہ کے سب سے بڑے عالم اور خدا تعالیٰ کے منشاء اور مرضی کو سب سے زیادہ صحیح سمجھنے والے ہوتے ہیں لہذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ عالیہ کا بیان کرنا ضروری ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مبلغ اور مفسرِ قرآن ہیں۔ جن کے حق میں يَآ اَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ الآية نازل ہوئی ہے۔ اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ کتب حدیث میں یہ مسئلہ بالصراحت موجود ہے جو آئندہ قسط میں بیان کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

حافظ قاری فیوض الرحمٰن ایم اے (عربی۔ فارسی۔ اردو۔ اسلامیات)
صدر شعبۂ اسلامیات۔ گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد

مسواک کی اہمیت

حدیث کی روشنی میں

طہارت و نظافت کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں پر زور دیا ہے اور ان کی بڑی تاکید فرمائی ہے ان میں سے ایک مسواک بھی ہے۔ مسواک کے طبی فوائد سے کوئی صاحب شعور انکار نہیں کر سکتا دینی نقطۂ نگاہ سے اس کی اصل اہمیت یہ ہے کہ یہ (مسواک کرنا) اللہ تعالیٰ کو بہت راضی کرنے والا عمل ہے۔ اس مختصر سی تمہید کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ترغیبی و تاکیدی ارشادات پڑھیے۔

(۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "اَلسِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِّلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِّلرَّبِّ" (مسند امام شافعی، مسند احمد، سنن دارمی، سنن نسائی، بخاری)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسواک منہ کو بہت زیادہ پاک صاف کرنے والی اور اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ خوش کرنے والی چیز ہے۔

تشریح۔ کسی چیز میں حسن کے دو پہلو ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ وہ دنیوی زندگی کے لحاظ سے فائدہ مند اور عام انسانوں کے نزدیک پسندیدہ ہو اور دوسرے یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبوب اور اجرِ اخروی کا وسیلہ ہو۔ آپؐ نے اس حدیث میں بتلایا ہے کہ مسواک میں یہ دونوں چیزیں جمع ہیں، اس سے منہ کی صفائی ہوتی ہے، گندے اور مضر مادے خارج ہو جاتے ہیں اور منہ کی بدبو زائل ہوتی ہے۔ یہ تو اس کے دنیوی فوائد ہیں اور دوسرا اخروی اور ابدی نفع اس کا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہونے کا بھی ایک خاص وسیلہ ہے۔

(۲) عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ." (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَمُسْلِمٌ وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ)

حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ میری امت پر بہت مشقت پڑ جائے گی تو میں ان کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حتمی امر کرتا۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ کی نگاہ میں مسواک کی محبوبیت اور اس کے عظیم فوائد دیکھتے ہوئے میرا جی چاہتا ہے کہ اپنے ہر امتی کے لیے حکم جاری کر دوں کہ وہ ہر نماز کے وقت مسواک ضرور کیا کرے۔ لیکن ایسا حکم میں نے صرف اس خیال سے نہیں دیا کہ اس سے میری امت پر بوجھ پڑ جائے گا اور ہر ایک کے لیے اس کی پابندی مشکل ہو گی — غور فرمایئے کہ یہ ترغیب و تاکید کا کیسا مؤثر عنوان ہے۔ بعض روایتوں میں "عند کل صلوۃ" کے بجائے "عند کل وضوء" کے الفاظ بھی آئے ہیں، مطلب دونوں کا قریب قریب ایک ہی ہے۔

(۳) عَنْ اَبِی اُمَامَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَا جَاءَنِیْ جِبْرِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَطُّ اِلَّا اَمَرَنِیْ بِالسِّوَاكِ، لَقَدْ خَشِیْتُ اَنْ اُحْفِیَ مُقَدَّمَ فِیَّ." (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت ابوامامہ باہلی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ کے فرشتے جبریل علیہ السلام جب بھی میرے پاس آئے، ہر دفعہ انہوں نے مجھے مسواک کے لیے ضرور کہا، خطرہ ہے کہ (جبریل کی بار بار کی اس تاکید کی وجہ سے) میں منہ کے اگلے حصہ کو مسواک کرتے کرتے گھس نہ ڈالوں۔

تشریح مسواک کے بارے میں حضرت جبریل کی بار بار یہ تاکید دراصل اللہ ہی کے حکم سے تھی اور اس کا خاص راز یہ تھا کہ جو ہستی اللہ سے مخاطبت اور مناجات میں ہر وقت مصروف رہتی ہو اور اللہ کا فرشتہ جس کے پاس بار بار آتا ہو، اور اللہ کے کلام کی تلاوت اور اس کی طرف دعوت جس کا خاص وظیفہ ہو تو ضروری ہے کہ وہ مسواک کا بہت زیادہ اہتمام کرے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے تھے۔

مسواک کے خاص اوقات

④ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْقُدُ مِنْ لَيْلٍ وَّلَا نَهَارٍ فَيَسْتَيْقِظُ إِلَّا يَتَسَوَّكُ قَبْلَ أَنْ يَتَوَضَّأَ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُد)

حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ دن یا رات میں جب بھی آپ سوتے تو اٹھنے کے بعد وضو کرنے سے پہلے مسواک ضرور فرماتے تھے۔

⑤ عن حذیفة قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قام للتہجد من اللیل یشوص فاہ بالسواک (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب آپ رات کو تہجد کے لیے اٹھتے تو مسواک سے اپنے دہن (منہ) مبارک کی خوب صفائی کرتے تھے (اس کے بعد وضو کرتے اور تہجد میں مشغول ہوتے)

⑥ عَنْ شُرَيْحِ بْنِ هَانِئٍ قَالَ: "سَأَلْتُ عَائِشَةَ بِأَيِّ شَيْءٍ كَانَ يَبْدَأُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ بَيْتَهُ؟" قَالَتْ: "بِالسِّوَاكِ." (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

شریح بن ہانی سے روایت ہے کہ میں نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب باہر سے گھر میں تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلے کیا کام کرتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ سب سے پہلے آپ مسواک کرتے تھے۔

تشریح۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ آپ ہر نیند سے جاگنے کے بعد خاص کر رات کو تہجد کے لیے اٹھنے کے وقت پابندی سے مسواک کرتے تھے۔ اس کے علاوہ جب باہر سے گھر میں تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلے مسواک کیا کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسواک صرف وضو کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ سو کر اٹھنے کے بعد اور مسواک کیے زیادہ دیر گزرنے کے بعد اگر وضو نہ بھی کرنا ہو جب بھی مسواک کر لینا چاہیے۔

علمائے کرام نے انہی احادیث کی بنا پر لکھا ہے کہ :۔

"مسواک کرنا یوں تو ہر وقت میں مستحب اور باعث اجر و ثواب ہے لیکن پانچ موقعوں پر

مسواک کی اہمیت زیادہ ہے :-

۱۔ وضو میں۔ ۲۔ نماز کے لیے کھڑے ہوتے وقت (اگر وضو اور نماز کے درمیان زیادہ دیر ہو گئی ہو) ۳۔ قرآن کریم کی تلاوت کے لیے۔

۴۔ سونے سے اٹھنے کے وقت ۵۔ اور منہ میں بدبو پیدا ہو جانے یا دانتوں کے رنگ میں تغیر آجانے کے وقت ان کی صفائی کے لیے۔

مسواک انبیائے کرام کی سنت ہے۔

⑥ عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: "اَرْبَعٌ مِّنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِیْنَ الْحَیَاءُ وَالتَّعَطُّرُ وَالسِّوَاكُ وَالنِّكَاحُ" (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابوایوب انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ چار چیزیں پیغمبروں کی سنتوں میں سے ہیں۔ ایک حیا۔ دوسرے خوشبو لگانا۔ تیسرے مسواک کرنا۔ اور چوتھے نکاح کرنا۔

تشریح۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں یہ بتا کر کہ یہ چاروں چیزیں اللہ کے پیغمبروں کی سنتیں ہیں، اپنی امت کو ترغیب دی ہے۔ قرآن وحدیث کی اصطلاح میں حیا کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ ہمارے ہاں تو اس کا یہ مفہوم سمجھا جاتا ہے کہ آدمی شرمناک باتوں اور شرمناک کام کرنے سے بچے، لیکن قرآن و حدیث کے استعمالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حیا۔ طبیعتِ انسانی کی اس کیفیت کا نام ہے کہ ہر نامناسب بات اور ناپسندیدہ کام سے اس کو انقباض اور گھٹن ہو اور اس کے ارتکاب سے اسے اذیت ہو۔

حیا کا تعلق صرف اپنے ابنائے جنس ہی سے نہیں ہے بلکہ حیا کا سب سے زیادہ مستحق وہ خالق و مالک ہے جس نے بندہ کو وجود بخشا اور جس کی پروردگاری سے وہ ہر آن حصہ پا رہا ہے اور جس کی نگاہ سے اس کا کوئی عمل اور کوئی حال مخفی نہیں۔ اسے یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ شرم وحیا کرنے والے انسانوں کو سب سے زیادہ شرم وحیا اپنے ماں باپ کی، اور اپنے بڑوں اور محسنوں کی ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ سب بڑوں سے بڑا، اور سب محسنوں کا محسن ہے لہٰذا بندہ کو سب سے زیادہ شرم وحیا اسی کی ہونی چاہیے اور اس حیا کا تقاضا یہ ہوگا کہ جو کام اور

جو بات بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کے حکم کے خلاف ہو، آدمی کی طبیعت اس سے خود انقباض اور اذیت محسوس کرے اور اس سے باز رہے۔

ایک حدیث میں ہے، آپؐ نے فرمایا:

"اِنَّ لِکُلِّ دِیْنٍ خُلُقًا وَخُلُقُ الْاِسْلَامِ الْحَیَاءُ" (موطا امام مالک و ابن ماجہ)

ہر دین کا کوئی امتیازی وصف ہوتا ہے اور دینِ اسلام کا امتیازی وصف حیا ہے۔

خوشبو لگانا بڑی محبوب صفت ہے۔ انسان کے روحانی اور ملکوتی تقاضوں میں سے ہے۔ اس سے روح اور قلب کو ایک خاص نشاط حاصل ہوتا ہے۔ عبادت میں کیف اور ذوق پیدا ہوتا ہے اور اللہ کے دوسرے بندوں کو بھی راحت پہنچتی ہے۔ اس لیے تمام انبیاء علیہم السلام کی محبوب سنت ہے۔ تیسری چیز مسواک اور چوتھی نکاح ہے۔

مسلم شریف میں ہے:

"حضرت عائشہ صدیقہ کہتی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا "عَشْرٌ مِّنَ الْفِطْرَۃِ الخ ــــــ" دس چیزیں امورِ فطرت سے ہیں۔ مونچھوں کا ترشوانا، داڑھی کا چھوڑنا، مسواک کرنا، ناک میں پانی لے کر اس کی صفائی کرنا، ناخن ترشوانا، انگلیوں کے جوڑوں کو (جن میں اکثر میل کچیل رہ جاتا ہے، اہتمام سے) دھونا، بغل کے بال لینا، موئے زیرِ ناف کی صفائی کرنا اور پانی سے استنجا کرنا۔ حدیث کے راوی زکریا کہتے ہیں کہ ہمارے شیخ مصعب نے بس یہی نو چیزیں ذکر کیں اور فرمایا کہ دسویں چیز بھول گیا ہوں اور میرا گمان یہی ہے کہ وہ کلی کرنا ہے۔"

علماء کہتے ہیں کہ "الفطرۃ" سے مراد انبیائے کرام کا طریقہ ہے کیونکہ ایک اور حدیث میں عشر من السنۃ کے الفاظ ہیں اور انبیاء کرام کے طریقہ کو فطرت اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ فطرت کے عین مطابق ہوتا ہے۔ اس تشریح کی بنا پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ انبیاء کرام نے جس طریقہ پر خود زندگی گزاری اور اپنی اپنی امتوں کو جس پر چلنے کی ہدایت کی اس میں یہ دس باتیں شامل تھیں۔ گویا یہ دس چیزیں انبیاء علیہم السلام کی متفقہ تعلیم اور ان کے مشترکہ معمولات سے ہیں۔

بعض شارحین نے "الفطرۃ" سے دینِ فطرت مراد لیا ہے، اس بنا پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ دس چیزیں دینِ فطرت (اسلام) کے اجزاء یا احکام میں سے ہیں۔

اور بعض شارحین نے "الفطرۃ" سے مراد انسان کی اصل فطرت و جبلت مراد لی ہے۔ اس تشریح کی بنا پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ دس چیزیں انسان کی اصل فطرت کا تقاضا ہیں جو اللہ نے اس کی بنائی ہے۔ جس طرح انسان کی اصل فطرت یہ ہے کہ وہ ایمان، نیکی اور طہارت و پاکیزگی کو پسند کرتا ہے، اور کفر و فواحش، گندگی اور ناپاکی کو ناپسند کرتا ہے۔ اسی طرح مذکورہ بالا دس چیزیں ایسی ہیں کہ انسانی فطرت (اگر کسی خارجی اثر سے ماؤف نہ ہو چکی ہو) تو ان کو پسند ہی کرتا ہے اور حقیقت شناس جانتے ہیں کہ انبیائے کرام جو دین یا زندگی کا طریقہ لے کر آتے ہیں وہ دراصل انسانی فطرت کے تقاضوں ہی کی مستند اور منضبط تشریح ہوتی ہے۔

آج ہم فطری آداب سے کتنے دور ہو گئے ہیں۔ مونچھیں باریک ترشوانے کا حکم تھا لیکن ہم نے بڑی بڑی مونچھیں رکھ لیں۔ ناخن کٹوانے کا حکم ملا تو یورپ کے تتبع میں انہیں بڑھانا اور ریت ریت کر صاف کرنا شروع کر دیا۔ بقول مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ:

"جن کے ناخن بڑے اور مونچھیں بڑی ہوتی ہیں، وہ کھانے پینے کی ہر چیز کو گندہ کر کے کھاتے پیتے ہیں، جس سے نہ صرف دوسروں کو کراہت معلوم ہوتی ہے بلکہ خود ان کو طبی طور پر نقصان پہنچتا ہے، یورپ میں ناخن بڑھانا اور ان کو ریت ریت کر صاف کرنا، اور اسی طرح بعض لوگوں میں بڑی بڑی مونچھیں رکھنا حسن سمجھا گیا ہے مگر یہ دونوں باتیں صریحاً خلافِ فطرت ہیں اور کھانے پینے کی گندگی کا باعث ہیں۔

مونچھوں کے بڑھانے کا فیشن یورپ کا آئینہ بدل جانے سے اب کم ہو رہا ہے۔ مگر داڑھی بڑھانے کے بجائے اس کے منڈانے کا فیشن ابھی اسی طرح قائم ہے، بلکہ اب تو داڑھی اور مونچھ دونوں کو صاف کرنے کا حکم ترقی پر ہے، یہ تمام باتیں اسلامی شعار کے خلاف ہیں اور اس شعار کے مخالف ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لیے مقرر کیا تھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا "مجوسیوں کے خلاف تم مونچھیں ——— ترشواؤ اور

داڑھی بڑھاؤ"[1] حضرت ابن عمر کہتے ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا۔ مشرکوں کے برخلاف تم مونچھیں باریک ترشواؤ اور داڑھی بڑھاؤ"[2]

ان تعلیمات کے مطابق اسلامی صورت کو قائم رکھنا غیرت مند مسلمانوں کا مذہبی فرض ہے اور بُری معلوم ہونے کا تخیل زمانہ کے رسم ورواج کا اثر ہے۔ جس رنگ کی عینک لگائے دنیا اسی رنگ کی نظر آئے گی۔"[3]

نماز کو قیمتی بنانے میں مسواک کا اثر

(۸) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "تَفْضُلُ الصَّلٰوةُ الَّتِيْ يُسْتَاكُ لَهَا عَلَى الصَّلٰوةِ الَّتِيْ لَا يُسْتَاكُ لَهَا سَبْعِيْنَ ضِعْفاً." (رواه البيهقي)

حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، وہ نماز جس کے لیے مسواک کی جائے، اس نماز کے مقابلہ میں جو بلا مسواک پڑھی جائے۔ ستر گنا فضیلت رکھتی ہے۔

تشریح: علماء لکھتے ہیں کہ:

"سبعین (ستر) کا لفظ عربی محاورہ کے مطابق کثرت اور بہتات کے لیے استعمال ہوا ہے اس بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ جو نماز مسواک کر کے پڑھی جائے وہ اس نماز کے مقابلہ میں جو بلا مسواک کے پڑھی جائے بدرجہا اور بہت زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔ اور اگر سبعین سے مراد ستر کا خاص عدد ہو تب بھی کوئی استبعاد (بعید) نہیں ہے۔

جب کوئی بندہ احکم الحاکمین کے دربار عالی میں حاضری اور نماز کے ذریعہ اس سے مخاطبت اور مناجات کا ارادہ کرے اور یہ سوچے کہ اس کی عظمت وکبریائی کا حق تو یہ ہے کہ مشک وگلاب سے اپنے دہن وزبان کو دھو کر اس کا نام نامی لیا جائے اور اس کے حضور میں

[1] [2] صحیح مسلم

[3] سیرت النبی جلد ششم ص ۱۹۱

کچھ عرض کیا جائے، لیکن اس مالک نے اپنی عنایت و رحمت سے صرف مسواک ہی کا حکم دیا ہے اس لیے میں مسواک کرتا ہوں تو وہ نماز اگر اس نماز کے مقابلہ میں جس کے لیے مسواک نہ کی گئی ہو، ستر یا اس سے بھی زیادہ درجے افضل قرار دی جائے تو بالکل حق ہے۔ حقیقت تو یہ ہے۔

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب (معارف الحدیث، مولانا محمد منظور نعمانی)

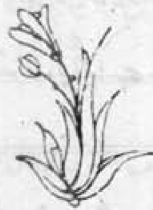
ہنوز نامِ تو گفتن کمالِ بے ادبی است

دورِ جدید کے عظیم مفکر ڈاکٹر اقبال رح سے کسی نے استفسار کیا کہ "اب تو اچھے اچھے ولایتی منجن ملتے ہیں، کیا وہ مسواک کا نعم البدل نہیں ہو سکتے؟"۔ ان کے جواب میں علامہ نے لکھا:

"مسواک سے میری مراد دیسی مسواک تھی نہ کہ انگریزی طرز کے منجن اور برش۔ کیونکہ یورپ کی بنی ہوئی بعض چیزیں خوبصورت ضرور ہوتی ہیں مگر ان میں اخلاقی زہر ہوتا ہے۔ جس کا اثر آج کل کے مادہ پرست مزاج رکھنے والے انسان فوراً محسوس نہیں کر سکتے۔"

"روزگارِ فقیر" کے مؤلف اس اقتباس کے تحت لکھتے ہیں:

"مسواک کا استعمال اس لیے مبارک اور مفید ہے کہ اس میں سنتِ رسول کا اتباع مضمر ہے۔ یہی مقدس جذبہ تھا جس نے مسواک کو علامہ کی نگاہ میں محبوب بنا دیا تھا۔ محبت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ محبوب کی ہر چیز محب کو محبوب و پسندیدہ نظر آئے۔ "فنا فی الرسول" کی مشہور صوفیانہ اصطلاح کا لب لباب یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و مرضیات میں اپنی مرضی اور خواہش کو گم کر دیا جائے اور سنتِ رسول کی پوری اطاعت کی جائے۔"[1]



[1] روزگارِ فقیر جلد دوم ص ۱۵۹

ریاض الحسن نوری ایم اے

اشتراکی مغالطے اور ان کا دفعیہ

قسط (۳)

حدیثِ رسول میں دجل و تحریف

مسعود صاحب نے ۲۰ر فروری کی قسط میں بخاری کی ایک حدیث بیان کی ہے (۱)۔ اس میں اپنی طرف سے اضافے کئے ہیں اور اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھا ہے، مثلاً مسعود صاحب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ فقرہ منسوب کیا جو زمین کی کاشت سے متعلق ہے "یعنی" اس کے کسی حصہ کو بغیر کاشت کے نہیں چھوڑنا چاہیے"، یہ فقرہ بخاری کی کسی حدیث میں موجود نہیں ہے، بلکہ یہ مسعود صاحب کا اپنا قول ہے جو وہ رسول اللہؐ کی طرف منسوب کرکے دجل و تحریف کا ارتکاب کر رہے ہیں، پھر آخر میں ایک اور فقرہ اپنی طرف سے الحاق کیا ہے یعنی "ہمیں اس سے کوئی واسطہ نہیں" یہ فقرہ بھی مسعود صاحب نے خود گھڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا ہے، کیا رسول اللہؐ پر جھوٹ بولنے والے اور ان کی حدیثوں میں مارکس کی تائید کے لئے اضافے کرنے والے ایسے شخص کو اسلامی حکومت میں کسی بھی محکمہ کا افسر رہنا چاہیے؟

امام ابو حنیفہؒ پر جھوٹ

مسعود صاحب اپنے مضمون کی دوسری قسط میں لکھتے ہیں "امام ابو حنیفہؒ کے خیال میں ایک شخص کو اپنے پاس صرف اتنی زمین رکھنی چاہیے، جس پر وہ خود کاشت کر سکتا ہو"۔

یہ قول امام ابو حنیفہؒ کی طرف غلط منسوب کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نقد ٹھیکے پر

---

(۱) اس حدیث کی تشریح اور مکمل بحث کے لئے مسلم شرح نووی دیکھی جا سکتی ہے، ابن خزیمہ نے بھی جواز میں کتاب لکھی ہے اور ابن حزم نے محلی میں کتاب المزارعۃ میں بڑے شد و مد سے جواز ثابت کیا ہے، فتح الباری بھی دیکھنی چاہیے۔

زمین دینے کو بالکل جائز سمجھتے تھے۔

امام ابو یوسف لکھتے ہیں،

اجارۃ أرض بیضاء بدراھم مسماۃ سنۃ أو سنتین فھذا جائز والخراج علی رب الارض فی قول أبی حنیفۃ رضی اللہ عنہ وان کانت أرض عشر فالعشر علی رب الارض وکذالک قال ابو یوسف فی الاجارۃ الخراج اما العشر فعلی صاحب الطعام۔ (۱)

ترجمہ: "سفید زمین کو مقررہ نقد دراہم کے عوض سال یا دو سال کے لئے ٹھیکہ پر دینا جائز ہے اور خراج مالک زمین کے ذمہ ہوگا اور اگر زمین عُشری ہے تو عشر مالک زمین کے ذمے ہوگا۔ یہ قول امام ابوحنیفہ کا ہے۔ اور ابو یوسف نے بھی یہی بات ٹھیکہ والی زمین کے خراج کے متعلق کہی ہے، لیکن ان کے نزدیک عُشری زمین ہو تو عشر وہ دے گا جو فصل لے گا۔

امام ابو یوسفؒ اپنی کتاب الخراج محولہ بالا کے صفحہ ۸۸ پر لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ مزارعت کو مکروہ جانتے تھے، پھر صفحہ ۹۱ پر لکھتے ہیں کہ اگر کوئی اپنی زمین کسی کو مزارعت پر دیدے تو پھر امام ابوحنیفہ کے نزدیک مالک زمین کو چاہیئے کہ کام کرنے والے کو اجرت دے اور خراج بھی مالک زمین کے ذمے ہوگا۔ اور زمین عُشری ہو تو عُشر بھی مالک زمین کو دینا پڑے گا۔ یعنی فصل مالک زمین لے گا۔ اور عشر ادا

(۱) صفحہ ۹۰ کتاب الخراج مولفہ امام ابو یوسف مطبوعہ بولاق ۱۳۰۲ھ؛ یاد رہے کہ امام شوکانی نے ابن تیمیہ سے نقل کیا ہے کہ زمین کو اجارہ پر دینا اجماع سے ثابت ہے۔ اور مفت زمین دینا ہرگز واجب نہیں (صفحہ ۲۹۵ جلد نمبر ۵ نیل الاوطار) مزید ابن منذر سے نقل کیا ہے کہ صحابہ کا نقد ٹھیکے کے جواز پر اجماع تھا (صفحہ ۲۹۰ نیل الاوطار)

کسے گا، اور مزارع کو اس کا حق خدمت دیا جائے گا یقینی کہ اس نے محنت کی ہوگی۔ (۱)

جب امام ابوحنیفہ کا مسلک وہ ہے، جو اوپر بیان ہوا، تو آخر مسعود صاحب کس طرح ان سے یہ بات منسوب کر رہے ہیں کہ وہ مزارعت کے قائل نہیں تھے، واقعہ یہ ہے، نقد ٹھیکہ بھی زمینداری ہے۔ اور مزدور سے کام کروانا بھی زمینداری ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ سب جائز ہے۔

امام ابو یوسفؒ پر الزام

مسعود صاحب لکھتے ہیں،

"۔۔۔۔ ملوکیت انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ ان حالات میں امام ابو یوسف کے لئے مزارعت کے خلاف رائے قائم کرنا ممکن نہ تھا۔"

اصل میں مسعود صاحب کہنا یہ چاہتے ہیں کہ امام ابو یوسف دولت مندوں کے ایجنٹ تھے، لیکن اس خیال سے کہ پاکستان میں حنفیوں کی کثرت ہے۔ انہوں نے سرمایہ داروں کے ایجنٹ والی بات بڑی ہوشیاری اور چالاکی سے پیش کی ہے،

ہم کہتے ہیں کہ اگر ان کے زمانے میں ملوکیت انتہا کو پہنچ گئی تھی (۲)، تو بطور وارث انبیاء کے ان کا فرض تھا کہ وہ حق بات کہیں نہ یہ کہ دولت مندوں کے ڈر سے مسئلہ بدل دیں، مسعود صاحب کے زعم میں خود ان کے لئے یہ بات بیسویں صدی میں تو کہنا ممکن ہے، لیکن قرونِ اُولیٰ میں امام ابو یوسف جیسے عالم کے لئے حق بات کا فتوے دینا ممکن نہ تھا۔

---

(۲) "ملوکیت" کے لحاظ سے امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے زمانوں میں کوئی فرق نہ تھا، دونوں ہم عصر اور استاذ شاگرد تھے۔

(۱) یعنی امام ابوحنیفہ کاشت کا روکو فضل دینے کے لئے نہیں کہہ رہے جیسا کہ مسعود صاحب کا نظریہ ہے۔ بلکہ، مسعود صاحب کے برعکس فتوے دے رہے ہیں۔

دراصل امام ابو یوسفؒ جانتے تھے کہ امام ابو حنیفہؒ نے کمال احتیاط اور تقوئی کی بنا پر اور اس خیال سے کہ کہیں زمیندار مزارع سے کوئی ایسی شرط نہ کر سکے کہ اچھی زمین کی فصل میری ہو گی اور خراب زمین کی تیری۔ انہوں نے نقد ٹھیکہ کو ترجیح دی اور مزارعت کی صورت میں یہ بہتر سمجھا کہ فصل ساری مالک زمین لے لے اور مزارع کو مزدوری مل جاتے، جب ابو یوسف اور امام محمد نے خود امام ابو حنیفہؒ کے دلائل اور احادیث کے نئے نئے طرق دیکھے تو صاحبین بھی امام احمد حنبل کی طرح مزارعت اور نقد ٹھیکے دونوں کو یکساں طور پر جائز اور بہتر سمجھنے لگے، یہ کہنا کہ حالات سے مجبور ہو کر ملوکیت کے اثر سے انہوں نے فتوے بدلا۔ یہ بات امام ابو یوسف پر شرمناک حملہ ہے امام ابو یوسف مزارعت کو جائز قرار دیتے ہوتے فرماتے ہیں۔ کہ "ہم نے اس سلسلے میں جو سب سے مستقیم بات سنی ہے وہ یہ کہ مزارعت جائز ہے۔ اور ہم نے اس سلسلے میں ان احادیث کا اتباع کیا ہے جو خیبر میں مساقاۃ کے متعلق آئی ہیں۔ کیونکہ وہ ہمارے نزدیک زیادہ صحیح ہیں اور زیادہ عام ہیں بہ نسبت ان کے جو اس کے خلاف ہیں" (۱)

امام احمد بن حنبلؒ کا طرزِ عمل

یاد رہے کہ امام احمد حنبلؒ چاروں اماموں میں سب سے زیادہ زاہد اور فقیر تھے، کسی امیر کا کھانا تک نہ کھاتے تھے اور خلیفہ کا کھانا بھی نہ کھایا۔ سب سے زیادہ ظلم قید اور کوڑے خلیفۂ وقت کے حکم سے انہوں نے کھائے "ملوکیت" نے ان پر جتنا ظلم کیا۔ کسی پر نہ کیا ہو گا۔ لیکن یہی مظلوم امام مزارعت اور نقد ٹھیکہ کے جواز

---

(۱) صفحہ ۸۹ رکتاب الخراج۔ یعنی۔ یہاں پر مسعود صاحب امام ابو یوسف کو جھوٹا قرار دے کر ان کو کہہ رہے ہیں کہ انہیں تم نے تو حالات سے مجبور ہو کر فتوئی دیا ہے، حالانکہ ابو یوسف فرماتے ہیں کہ ہم نے زیادہ صحیح اور زیادہ کثرت سے روایت شدہ احادیث کی روشنی میں فیصلہ کیا ہے کیا مسعود صاحب ابو یوسف کے دل کا حال ان سے زیادہ بہتر جانتے ہیں۔

کا فتوے دیتے اور حق میں دلائل فراہم کرتے تھے۔ ان کا بڑے سے بڑا دشمن بھی ان کو سرمایہ داروں کا ایجنٹ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ نہ انہوں نے کبھی سرکاری عہدہ قبول کیا اور نہ سرکاری روپیہ بلکہ ساری عمر فقیری کی حالت میں خلیفہ کے ظلم سہے، کیا مسعود صاحب ان سے زیادہ قرآن کو جاننے والے اور غریبوں کے ہمدرد ہو سکتے ہیں، جو شخص کہ انگریزوں کی نوکری کرتا رہا ہو۔ اور انگریزی حکومت کو اپنی نوکری سے استحکام بخشتا رہا ہو۔ وہ امام احمد حنبل وغیرہم کے منہ آتا ہے ائمہ سلف پر اعتراض کرتا ہے۔ اور ان کے سامنے اگر اپنی قرآن فہمی اور حدیث فہمی کا دعوےٰ کرتا ہے، ع

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو!

موجودہ دور اور زمینداری

آج کل دراصل خود کاشت کا وہ مسئلہ اور وہ صورت ہی نہیں رہی جو کچھ عرصہ پہلے تھی۔ اب تو بڑے بڑے زمیندار سینکڑوں ایکڑ کے مالک خود ہی ملازم رکھ کر بذریعہ ٹریکٹر کاشت کر رہے ہیں۔ ٹریکٹر سے ایک عورت بھی خود کاشت کر سکتی ہے، بلکہ کر رہی ہے "اخبار خواتین" میں اس کی تفاصیل آچکی ہیں۔

پھر زمینداری چاہے مزارعت کے طریق پر ہو۔ چاہے نقد ٹھیکہ پر دونوں میں اقتصادی لحاظ سے کوئی خاص فرق نہیں ہے۔

آج کل تو بڑے بڑے جاگیرداروں کے لئے خود کاشت زیادہ نفع بخش ہے، یہ لوگ فارم منیجر رکھ کر ٹریکٹروں کے ذریعے سے کاشت کرا رہے ہیں۔ مزارعت اور نقد ٹھیکے پر تو اکثر وہ لوگ زمین دیتے ہیں جن کی زمین اتنی تھوڑی ہے کہ اگر وہ خود کاشت کریں تو گذارہ کے لئے کافی نہیں ہوتی، مثلاً گاؤں میں پرائمری کا ماسٹر ہے۔ اس کی چند ایکڑ زمین ہے۔ جو اس کے گذارہ کے لئے کافی نہیں، وہ اپنی قلیل زمین کو ٹھیکہ پر دے دیتا ہے اور باقی تھوڑی سی تنخواہ جو اسکول سے ملتی ہے اس کو ٹھیکہ کی رقم میں ملا کر اپنی گذر بسر کر لیتا ہے۔ اگر ایسے لوگوں سے زمین چھین لی جائے تو یہ ظلم نہیں تو کیا ہوگا؟

پھر دیکھئے ایک کاشت کار مر جاتا ہے۔ اور بیوی بچے چھوڑ جاتا ہے۔ اس کی بیوی اور بچے زمین کو ٹھیکہ یا مزارعت پر دے کر تنگی ترشی سے گذر اوقات کر لیتے ہیں۔ جب تک بچے بڑے نہیں ہوتے اس وقت تک اسی ٹھیکہ کی رقم سے ان کا گذارہ چلتا ہے۔ اب اگر ان کی زمین حکومت چھین کر دوسروں کو دیدے اور بیوہ اور یتیم کو خیرات پر گذارہ کے لئے مجبور کر دے تو یہ کون سی انسانیت اور انصاف ہوگا؟

ہم جاگیر داروں اور بڑے زمینداروں کے طرفدار نہیں ہیں۔ بڑی بڑی جاگیریں انگریزوں کی وفاداری سے حاصل ہوئی تھیں۔ ان کی مناسب طریقے سے تقسیم عمل میں آنی چاہیئے۔ اسی طرح بڑے بڑے زمیندار قریب قریب سب ہی حرام کمائی یا قانون وراثت پر صحیح طور پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے بنے ہیں۔ یہ لوگ ہمیشہ اسلامی اقدار کو روندتے رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کو قرآن و سنت کی روشنی میں قرار واقعی سزا ملنی چاہیئے۔ ایسے لوگ اسلام کے نام پر کلنک کا ٹیکہ ہیں۔

کاشتکاروں کی بھلائی کا اسلامی قانون

احادیث صحیحہ کی رُو سے جو شخص کسی غیر آباد بنجر زمین جو کسی کی ملکیت نہ ہو۔ اس کو کاشت کر کے یا مکان بنا کر آباد کر لے تو وہ زمین اس کی ملکیت بن جاتی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کے لئے حکومتی اجازت کی ضرورت ہے لیکن دیگر جمہور ائمہ کے نزدیک حکومت کی اجازت کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ آباد کرنے پر آباد کرنے والا مالک بن جائے گا۔ اور اگر حکومت کسی کو ایسی زمین دے گی تو تین سال کے اندر اندر اس کو آباد کرنا لازم ہوگا۔ ورنہ وہ کسی اور کو دے دی جائے گی جو اس کو آباد کرے۔ لیکن ایک دفعہ آباد کر لینے کے بعد حکومت کو اس سے چھیننے کا کوئی حق نہیں۔ ایسا مالک اس زمین کو فروخت بھی کر سکتا ہے۔ اور پٹہ پر بھی دے سکتا ہے۔ اور اس زمین میں وراثت بھی جاری ہوگی۔ احیاء الارض کے مسئلہ پر یحییٰ بن آدم نے تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ یہ وہ یحییٰ بن آدم ہیں، جن کو سوشلسٹ رحمت اللہ طارق صاحب

اپنی کتاب میں محدث اعظم کا خطاب دیتے ہیں۔ یحییٰ بن آدم کہتے ہیں کہ ایسی بنجر اور عادی زمین کو آباد کرنے کے بعد جو ملکیت حاصل ہوتی ہے، وہ ابدی ہوتی ہے۔ ان کے خاص الفاظ یہ ہیں۔

"فھذہ لصاحبھا ابداً، لا تخرج من ملکہ وان عطلھا بعد ذلك، لان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: ....

(من احیا ارضاً فھی لہ) فھذا اذن من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیھا للناس فان مات فھی لورثتہ ولہ ان یبیعھا ان شاء (۱)

("پس یہ زمین ہمیشہ کے لئے اس کی ملکیت ہو جائے گی۔ اور اگر وہ بعد میں زمین کو بیکار خالی بھی ڈالے رکھے تو اس کی ملکیت سے خارج نہ ہو گی۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے (عادی) زمین کو آباد کیا وہ اس کی ہو جائے گی، پس یہ اجازت ہے تمام لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے۔ اگر مالک مر جائے تو یہ زمین اس کے وارثین کی ہو گی۔ اور مالک اس زمین کو فروخت کرنے کا بھی مجاز ہو گا")

اب اگر ہماری حکومت شریعت کے اس قانون کی رُو سے آبادی سے دور بنجر زمینوں کو جو کسی شخص کی ذاتی ملکیت نہیں ہیں ان کو کاشت میں لانے اور ان پر مکان بنانے کی عام اجازت دیدے یا خود مستحق لوگوں کو بلا حیل وحجت الاٹ کر دے تو ایک طرف غریب کاشت کاروں کو زمین مہیا ہو جائے گی۔ وہ اس پر کچے مکان بھی بنا سکیں گے، اور کاشت بھی کر سکیں گے، پھر آبادی کا مسئلہ بھی بآسانی حل ہو سکتا ہے، دیگر یہ کہ زمین وافر اور زیر کاشت ہونے سے پیداوار بھی بڑھے گی۔ اس کے علاوہ زمیندار

(۱) صفحہ ۹۰ کتاب الخراج یحییٰ بن آدم القرشی المتوفی ۲۰۳ھ گویا مصنف دوسری صدی ہجری کے محدث ہیں۔

برائے نام ٹھیکہ کے عوض اپنی زمینوں کو کاشت پر دینے پر مجبور ہو جائیں گے اور غریب کاشت کاروں کے حصے میں اضافہ ہو جائے گا۔ کیونکہ جب بنجر زمینوں کی کاشت کی عام اجازت ہوگی تو کاشت کار یا تو بنجر زمینوں کو آباد کریں گے، ورنہ ان کو معمولی اور آسان شرائط پر زمیندار زمین دینے پر مجبور ہوں گے اس اسکیم پر عمل کرنے سے نہ آبادی میں اضافے کا خوف رہے گا اور نہ زمیندار کے ظلم کا، لیکن کوئی اسلامی نظام اپنائے تو جب ہی یہ فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ ع

مآلِ زندگی اَب تک بھی تجھ پہ مبہم ہے؟

عبدالرحمٰن عاجز رحمانیہ دارالکتب لائل پور

ہر ایک ذکر سے ذکرِ خدا معظّم ہے
ہر ایک فکر سے فکرِ عدم مقدم ہے

ترے مریض کی یہ بے بضاعتی، توبہ
نہ دل میں خون کا قطرہ، نہ آنکھ میں نم ہے

ترا ہی ذکر ہے وجہ سکونِ قلب و نظر
تری ہی یاد مرے زخمِ دل کا مرہم ہے

وہی ہے حبِّ محمدؐ میں کامل و صادق
ہر ایک حکمِ محمدؐ پہ جس کا سر خم ہے!

قرار کیسے ہو دل کو جب اس کا علم نہیں
مرے نصیب میں جنت ہے یا جہنم ہے

کھڑی ہے سر پہ اجل زندگی ہے پا بہ رکاب
نہ کوئی رختِ سفر ہے نہ کوئی ہمدم ہے،

گزر گیا ہے، لڑکپن، شباب ختم ہوا
مآلِ زندگی اب تک بھی تجھ پہ مبہم ہے؟

عجیب منظرِ باغِ جہاں ہے اے عاجزؔ
ہر ایک سینۂ گل میں مزارِ شبنم ہے!

(پروفیسر غلام احمد حریری ایم اے) ——— صدر شعبہ اسلامیات زرعی یونیورسٹی لائل پور

سیرتِ رسول (ص) اور مستشرقین

یہ مقالہ زرعی یونیورسٹی لائلپور کے اجلاس سیرۃ النبیؐ میں مورخہ ۵/۲۰ پڑھا گیا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

صدر محترم و سامعین عظام!

آپ نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں پر متعدد تقاریر و مقالات سنے۔ آنحضور کی سیرت طیبہ وہ بحر ناپیدا کنار ہے، جس کی شناوری حیطۂ بشری سے خارج ہے؛ استطاعت انسانی کی حد تک مدح و توصیف کے بعد بھی یہی کہنا پڑے گا کہ ؎

لا یمکن الثناء کما کان حقہ ؛ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

حضرات گرامی! مجھے جو فریضہ تفویض ہوا ہے، اس کی نوعیت جداگانہ ہے۔ مجھے جس بات کے لئے مامور کیا گیا ہے، وہ اس امر کا اظہار و بیان نہیں کہ جس پاکیزہ ہستی کا تذکار آج مقصود ہے، اس نے کفرستان ارضی کو نعمتِ ایمان سے نوازا۔ اس کی تشریف آوری سے چمنستان دہر میں روح پرور بہار آ گئی۔ چرخ نیلی فام نے اس بزم عالم کو یوں آراستہ کیا کہ نگاہیں خیرہ ہو کر رہ گئیں۔ ایوانِ کسریٰ ہی نہیں بلکہ شان عجم، شوکت روم اور اوج چین کے قصر ہائے فلک بوس گر پڑے۔ نہ صرف آتشِ فارسی بلکہ آتش کدہ ہائے کفر سرد ہو کر رہ گئے۔ صنم خانوں میں خاک اڑنے لگی۔ شیرازۂ مجوسیت بکھر گیا۔ نصرانیت کے اوراقِ خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑ گئے۔

بخلاف ازیں مجھے یہ ناخوشگوار فریضہ سونپا گیا ہے کہ سینہ پر پتھر رکھ کر آپ یہ

سنیں اور میں آپ کو سناؤں کہ آنحضورؐ فداہُ ابی و امی پر کیچڑ کس نے اچھالا؟ آپ کی فرشتوں سے زیادہ پاکیزہ زندگی کو داغدار کرنے کی کوشش کس نے کی؟ آپ کی ازواجِ مطہرات اور امہات المومنین پر ناپاک حملے کس نے کئے؟ جو دین آپ لائے تھے اس کی تضحیک کس نے کی؟ اس کے عقائد و افکار کا مذاق کس نے اڑایا؟ کتابِ الٰہی کو تنقید کے تیروں سے کس نے گھائل کیا؟۔

آپ محوِ حیرت سوچ رہے ہوں گے کہ وہ بد باطن کون ہے؟ آپ کے اس خاموش سوال کے جواب میں یہ کہنے کی اجازت چاہتا ہوں اور اس کے لئے معذرت خواہ بھی ہوں کہ وہ تھے ہم اہلِ پاکستان کے محبوب رہنما اور ہمارے پسندیدہ فضلاء جن کو ہم مشرق شناس اور مستشرقین (ORIENTLIST) کے نام سے یاد کرتے ہیں، اس لئے ان کی یہ ہرزہ سرائی اور یاوہ گوئی بہرحال گوارا ہونی چاہیے، بلکہ اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر (خاک بدہن ایشاں) ان کی یہ ادا پسندیدہ گناہ سے دیکھی جانے کی اس لئے مستحق ہے کہ محبوب کی ہر ادا بھی محبوب ہوتی ہے۔

عزیزانِ من! محبوب کا لفظ میں نے نادانستہ نہیں بلکہ دانستہ کہا ہے؛ محبوب کا طرز و انداز، چال ڈھال، نشست و برخاست، طرزِ بود و ماند، زندگی کے آداب و اطوار محب کی نگاہ میں نہ صرف پسندیدہ اور مستحسن ہوتے ہیں بلکہ وہ اس کی ہر ادا سے والہانہ شغف رکھتا اور اس پر سو جان سے فدا ہوتا ہے۔ یہی حال یہاں بھی ہے۔

ان اعدائے دین کی وہ کون سی ادا ہے جو ہمیں عزیز نہیں۔ ہمارا رہنا سہنا، چلنا پھرنا، کھانا پینا اور سونا جاگنا انہی کے قالب میں ڈھلا ہوا ہے۔ ہمارے یہاں کا مہذب طبقہ دل و جان سے اس بات کا حریص ہے کہ اسی رنگ میں رنگ جائے تاکہ اس کے بارے میں کہا جا سکے ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی
تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری!

ان دشمنانِ دین کے ساتھ مشابہت و مماثلت کا جو جذبہ ہمارے قلب و ذہن میں موج زن ہے، اس کی یہ ادنیٰ کرشمہ سازی ہے کہ اگر وہ حیوانوں کی طرح کھڑے ہو کر بلکہ چلتے پھرتے کھاتے پیتے ہیں، تو ہمارا اعلیٰ طبقہ بھی اس کی بھونڈی نقالی شروع کر دیتا ہے اور اگر وہ بے شعور چوپایوں کی طرح کھڑے ہو کر رفعِ حاجت کرتے ہیں، تو ہم میں سے ترقی کا ایک مدعی بھی اسی طرح کرنے لگے۔ اور پھر فحاشی، عریانی اور بے حیائی کا جو طوفان بدتمیزی ہمارے یہاں اٹھ رہا ہے، یہ مغرب کی اندھی نقالی کے سوا کیا ہے؟

حضرات! بڑے ادب سے میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ جن لوگوں کے ساتھ ہمارا تعلقِ خاطر وابستگی اور دل بستگی کا یہ عالم ہو ان کے بارے میں ہمارا یہ شکوہ کہاں تک درست ہے کہ انہوں نے محمد مصطفےٰ فداہ ابی وامیؐ کا احترام ملحوظ نہیں رکھا۔ قرآن کریم کو اپنی تنقید شدید کا نشانہ بنایا یا دین اسلام کو اپنے اعتراضات کے تیروں سے چھلنی کیا۔ اگر ہم میں دینی زندگی کی کچھ رمق بھی باقی ہوتی، تو اس کی نوبت نہ آتی۔ ہمارا مکتب اپنا فریضہ ادا کرتا تو دینی غیرت و حمیت کا یہ عالم نہ ہوتا۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ مکتب نے نقالی کے اس جذبہ کو اور فروغ دیا، جس سے ہماری دینی حس زندہ نہ رہی۔ اسی کے حق میں علامہ فرماتے ہیں، ؎

؎ گرچہ مکتب کا جواں زندہ نظر آتا ہے ؛ مردہ ہے مانگ لایا ہے فرنگی سے کفن

ہمارے مکتب نے دہریت والحاد کے دروازے چوپٹ کھول دیئے۔

؎ ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم ؛ کیا خبر تھی چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

سامعین کرام! میں موضوع سے بہت دور نکل جانے کے لئے معذرت خواہ ہوں، مگر مستشرقین کا ذکر ہو تو دل کی بات کو چھپا نہیں سکتا اس لئے بقول امیر مینائی۔

؎ آمیر جمع ہیں احباب دردِ دل کہہ لے ؛ پھر التفاتِ دلِ دوستاں رہے نہ رہے

تمہید میں قدرے طوالت ناگزیر تھی۔

سیرت نویسی کا آغاز وارتقاء جرمنی کے مشہور مستشرق ڈاکٹر اسپرنگر نے اس

حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ مسلمانوں کے اس فخر کا قیامت تک کوئی حریف نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے اپنے پیغمبرؐ کے حالات اور واقعات کا ایک ایک حرف اس احتیاط کے ساتھ محفوظ رکھا ہے کہ کسی شخص کے حالات آج تک اس جامعیت کے ساتھ قلمبند نہیں ہو سکے اور نہ آئندہ اس کی توقع کی جا سکتی ہے۔ اس کی حد یہ ہے کہ آپ کے افعال واقوال کی تحقیق کے لئے مسلمانوں نے "اسماء الرجال" کے نام سے ایک مستقل فن ایجاد کیا اور اس میں آپ کے دیکھنے والوں اور ملنے والوں میں سے تیرہ ہزار اشخاص کے نام اور حالاتِ زندگی قلمبند کئے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ اس زمانہ میں ہوا جب دنیا میں تصنیف و تالیف کا آغاز ہو رہا تھا۔

مگر یہاں نہ سیرت نویسی کی تاریخ مقصود ہے اور نہ مسلم سیرت نویسوں کا تفصیلی تذکرہ۔ اس دلچسپ اور علمی موضوع کے لئے ایک دوسری فرصت درکار ہے۔ یہاں جو کچھ پیشِ نظر ہے، وہ یہ ہے کہ مستشرقین کون تھے؟ انہوں نے سیرت نویسی کے سلسلہ میں کیا کارنامہ انجام دیا؟ اور یہ کہ ان کی کاوش اہل اسلام کے لئے کس حد تک ضرر یا نفع رساں ہے؟۔

سیرت نویسی اور مستشرقین

اہل یورپ ایک مدت تک اسلام سے مطلقاً نابلد تھے، جب وہاں شرق شناسی کا رواج ہوا تو اسلام کے بارے میں طرح طرح کے توہمات میں مبتلا رہے۔ یورپ نے مسلمانوں کو جس طرح جانا اس کو فرانس کا مشہور مصنف ہنری دی کاستری یوں بیان کرتا ہے:۔

"وہ گیت اور کہانیاں جو اسلام کے متعلق یورپ میں قرونِ وسطیٰ میں رائج تھے ہمیں نہیں معلوم کہ مسلمان ان کو سن کر کیا کہیں گے؟ یہ تمام داستانیں اور نظمیں مسلمانوں کے مذہب کی ناواقفیت کی وجہ سے بغض وعداوت سے بھری ہوئی ہیں۔ جو غلطیاں اور بدگمانیاں اسلام کے متعلق آج تک قائم ہیں ان کا باعث وہی قدیم معلومات ہیں۔ ہر مسیحی شاعر مسلمانوں کو مشرک اور بت پرست سمجھتا تھا۔ مسلمانوں کے تین خدا تسلیم کئے جاتے تھے۔" (سیرت النبی شبلی بحوالہ ترجمہ کتاب ہنری دی کاستری بزبانِ عربی مطبوعہ مصر ۱۸۹۸ء)

سترھویں اور اٹھارہویں صدی

سترہویں صدی کے سنینِ وسطیٰ یورپ کے عصر جدید کا مطلع ہے۔ یورپ کی جدوجہد سعی وکاوش اور حریت و آزادی کا دَور اسی عہد سے شروع ہوتا ہے۔ ہمارے مقصد کی جو چیز اس دَور میں پیدا ہوئی، وہ مستشرقین کا وجود ہے۔ جن کی کوشش سے نادر الوجود عربی کتابیں ترجمہ اور شائع ہوئیں، عربی زبان کے مدارس علمی وسیاسی اغراض سے جابجا ملک میں قائم ہوئے اور اس طرح وہ زمانہ قریب آتا گیا کہ یورپ اسلام کے متعلق خود اسلام کی زبان سے کچھ سن سکا۔

اس دَور کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ سنے سنائے عامیانہ خیالات کے بجائے کسی قدر تاریخ اسلام اور سیرت النبیؐ کی بنیاد عربی زبان کی تصانیف پر قائم کی گئی۔ گو موقع بہ موقع سابقہ بے بنیاد معلومات کا نمک مرچ بھی شامل کر دیا گیا۔ اس عہد میں عربی زبان کی تاریخی تصنیفات کا ترجمہ ہوا، مگر یہ عجیب بات ہے کہ شعوری یا غیر شعوری طور پر ان مستشرقین نے جن عربی تاریخوں کا ترجمہ کیا وہ اکثر ان عیسائی مصنفین کی تصنیفات تھیں جو اسلامی ممالک کے باشندے تھے۔ اس ضمن میں اربی نیوس مارگولیتھ ایڈورڈ پوکاک اور ہاٹنجر کے نام قابل ذکر ہیں۔

اٹھارویں صدی عیسوی کے آخر میں جب یورپ کی سیاسی قوت اسلامی ممالک میں پھیلنی شروع ہوئی تو مستشرقین کی ایک کثیر التعداد جماعت عالم وجود میں آئی۔ انہوں نے حکومت کے اشارہ سے السنۂ شرقیہ کے مدارس کھولے، مشرقی کتب خانوں کی بنا ڈالی، ایشیاٹک سوسائٹیاں قائم کیں۔ اور مشرقی تصنیفات کی طبع واشاعت کا سلسلہ شروع ہوا۔

ان مدارس اور سوسائٹیوں کی تقلید سے تمام ممالک یورپ میں اس قسم کی درس گاہیں اور انجمنیں قائم ہو گئیں۔ ہر یونیورسٹی میں عربی زبان کے پروفیسروں اور کتب خانوں کا وجود لازمی سمجھا جانے لگا۔ مسلمانوں کے ہاں عربی زبان میں سیرت ومغازی کی جو کتابیں محفوظ تھیں ان میں سے اکثر اٹھارویں صدی کے اواخر سے لے کر انیسویں صدی کے اختتام تک یورپ میں چھپ گئیں۔ اور ان میں سے بہت سی کتب کا ترجمہ یورپین زبانوں میں شائع ہو گیا۔

ان اصل عربی تصنیفات اور ان کے تراجم کی اشاعت نیز اسلامی ممالک و یورپ کے تعلقات اور آزادانہ تحقیقات کے ذوق وشوق نے یورپ میں تاریخ اسلام اور سیرت نبوی کے مصنفین کی ایک کھیپ پیدا کر دی۔ سیرت النبیؐ پر لکھنے والوں کی کثرتِ تعداد کا ذکر آکسفورڈ یونیورسٹی کے مشہور عربی دان پروفیسر مارگولیتھ نے اپنی کتاب "محمدؐ" میں اس طرح کیا ہے،

"محمدؐ کے سیرت نگاروں کا ایک وسیع سلسلہ ہے جن کا ختم ہونا غیر ممکن ہے لیکن اس میں جگہ پانا قابلِ فخر چیز ہے"۔

مستشرقین کی اقسام

مستشرقین کے نام اور ان کا کام اس قدر وسیع الذیل ہے کہ اس کی تفصیلات ذکر کر کے میں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتا، البتہ یہ عرض کروں گا کہ ان کی تین بڑی قسمیں ہیں۔

(۱) جو عربی زبان اور اصل ماخذوں سے آشنا نہیں۔ ان لوگوں کا علمی سرمایہ اوروں کی تصانیف و تراجم ہیں۔ ان کا کارنامہ صرف یہ ہے کہ اس مشکوک اور ناقص مواد کو قیاس آرائی کے قالب میں ڈھال کر دکھائیں۔ مثال کے طور پر مشہور مورخ گبن کا نام اس ضمن میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

(۲) دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو عربی زبان و ادب اور تاریخ و فلسفۂ اسلام کے بہت بڑے ماہر ہیں، لیکن سیرت کے فن سے بے گانہ ہیں۔ ان لوگوں نے سیرت یا دین اسلام پر کوئی مستقل تصنیف نہیں لکھی، لیکن ضمنی موقعوں پر عربی دانی کے زعم میں اسلام اور نبی کریمؐ کے متعلق نہایت بے باکی سے جو چاہتے ہیں لکھ جاتے ہیں۔ مثلاً جرمن کا مشہور مستشرق ساخو جس نے طبقات ابن سعد شائع کی ہے۔ اس کی عربی دانی سے انکار نہیں کیا جا سکتا، علامہ بیرونی کی کتاب "الہند" کا دیباچہ اس نے جس تحقیق سے لکھا ہے رشک کے قابل ہے، لیکن اسی دیباچہ میں اسلامی امور کے متعلق اس نے ایسی باتیں لکھی ہیں جن کو پڑھ کر بھول جانا پڑتا ہے کہ یہ وہی شخص ہے جس نے یہ کارنامہ انجام دیا تھا۔ جرمنی کے مشہور مستشرق نولڈیکی نے قرآن مجید کا خاص مطالعہ کیا ہے، لیکن انسائیکلو پیڈیا جلد ۱۶ میں قرآن پر اس کا جو آرٹیکل ہے۔ نہ صرف اس کے تعصب بلکہ اس کی جہالت کے رازِ پنہاں کی بھی پردہ

دری کرتا ہے۔

(۳) تیسری قسم کے وہ مستشرقین ہیں جنہوں نے اسلامی ادب کا کافی مطالعہ کیا ہے، مثلاً پاریا مارگولیتھ مگر علم و فضل کے باوصف ان کا یہ حال ہے کہ ؎

دیکھتا سب کچھ ہوں لیکن سوجھتا کچھ بھی نہیں

مارگولیتھ نے مسند امام احمدؒ بن حنبل کا ایک ایک حرف پڑھا ہے، شاید کسی مسلمان کو بھی اس وصف میں اس کی ہمسری کا دعوای نہیں ہو سکتا، لیکن اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر جو کتاب لکھی ہے دنیا کی تاریخ میں اس سے زیادہ کوئی کتاب کذب و افترار اور تاویل و تعصب کی مثال کے لئے پیش نہیں کر سکتی اس کا اگر کوئی کمال ہے تو یہ ہے کہ سادہ سے سادہ اور معمولی سے معمولی واقعہ کو جس میں برائی کا کوئی پہلو پیدا نہیں ہو سکتا، صرف اپنی ذہانت کے زور سے بدمنظر بنا دیتا ہے۔

ڈاکٹر اسپرنگ جرمنی کے مشہور عربی دان ہیں۔ کئی سال مدرسہ عالیہ کلکتہ کے پرنسپل رہے حافظ ابن حجر کی کتاب "الاصابۃ فی احوال الصحابۃ" بعد از تصحیح ان ہی نے شائع کی۔ لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر ایک ضخیم کتاب ۳ جلدوں میں لکھی تو ہر قاری حیران رہ گیا۔

مستشرقین کا نقد و جرح یورپین مصنفین نے مذہبی و سیاسی تعصب کی بنا پر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ پر جو نکتہ چینی کی ہے اس کے اہم نکات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ میں ایک پیغمبر کی حیثیت سے زندگی بسر کی مگر جونہی مدینہ پہنچ کر برسرِ اقتدار ہوئے پیغمبری یکایک بادشاہی سے بدل گئی۔ اس کے نتیجہ میں بادشاہی کے لوازم یعنی لشکر کشی، قتل، انتقام، خون ریزی خود بخود پیدا ہو گئے۔

۲۔ کثرتِ ازواج اور عورتوں کی جانب رجحان و میلان

۳۔ اشاعت اسلام بزور شمشیر

۴۔ لونڈی غلام بنانے کی اجازت اور اس پر عمل۔

۵۔ دنیا داروں کی سی حکمت عملی اور بہانہ جوئی۔ (سیرۃ النبی شبلی جلد اوّل)

یورپین مصنفین نے زبان وقلم کے جو نشتر چلائے ان کی تندی و تیزی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تک ہی محدود نہیں رہی، بلکہ انہوں نے کتاب الٰہی کو آنحضورؐ کی تصنیف قرار دے کر اس میں کیڑے نکالے، اس کی عبارت کو غیر مربوط اور غلط قرار دیا اس کے معانی ومطالب پر تنقید کی اور اسے ادنیٰ درجے کا عوامی کلام ٹھہرایا۔ اسی طرح انہوں نے دین اسلام پر جو حملے کئے ناقابل بیان ہیں۔

حضرات! مستشرقین کی عنایات دین اسلام قرآن کریم اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر اس قدر زیادہ ہیں کہ ؎ سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لئے۔

میں اپنے اندر یہ جرأت نہیں پاتا کہ مستشرقین کی ہرزہ سرائی پر مشتمل اقتباسات پیش کر کے اپنی زبان کو آلودہ اور آپ کے احساسات کو مجروح کروں ورنہ میں ڈھیروں کتب آپ کے سامنے پیش کر کے مستشرقین کی دریدہ دہنی کا ثبوت مہیا کر سکتا ہوں۔

یہی نہیں کہ احقر زمانۂ طلب علم سے مستشرقین کی تصانیف پڑھتا چلا آیا ہے، بلکہ بذات خود مجھے بعض مستشرقین سے ملنے اور ان سے مبادلۂ افکار کرنے کا شرف بھی حاصل ہے۔ ۱۹۵۸ء جنوری میں پنجاب یونیورسٹی نے لاہور میں ایک مجلس مذاکرہ عالمیہ منعقد کی تھی جس میں احقر نے علماء مصر و شام کے ترجمان کی حیثیت سے شرکت کی تھی۔ اس دوران مجھے عصر حاضر کے عظیم مستشرق اور مؤرخ ہٹّی کے ساتھ کم از کم دو ہفتے گذارنے کا موقع ملا۔ پروفیسر ہٹی اگرچہ سکونت کے اعتبار سے امریکی ہیں مگر لبنانی الاصل ہیں۔ اور عربی ان کی مادری زبان ہے، وہ عصر حاضر کے ان مستشرقین میں شمار ہوتے ہیں جو تعصب سے پاک ہیں۔

دوران ملاقات جب احقر نے موصوف کی کتب کے نشان زدہ مقامات پیش کئے جہاں انہوں نے بایں ہمہ ادّعائے بے تعصبی اسلام اور شارع اسلام پر حملے کئے تھے تو اطمینان بخش جواب دینے

کے بجائے چڑ گئے اور تاویلات کا سہارا لینے لگے۔ اسی طرح اٹلی کے مشہور مستشرق بوسانی کے انگریزی مقالہ کے عربی ترجمہ کے سلسلہ میں جب احقر نے ان سے مل کر مستشرقین کی اسلام دشمنی کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے جو جواب دیا، وہ اس اعتراف پر مبنی تھا کہ مستشرقین کی اکثریت اسی قسم کے لوگوں پر مشتمل ہے۔ اسی طرح مجھے انگلینڈ امریکہ فرانس اور جرمنی کے مستشرقین سے ملنے اور بالمشافہہ گفتگو کرنے کے متعدد مواقع ہاتھ آئے اور اس بات کا عملی تجربہ حاصل ہوا کہ ان لوگوں کے دل میں اسلام اور شارع اسلام کے خلاف بغض و عناد کا ایک بحر ادقیانوس موج زن ہے۔

مستشرقین کی چابکدستی

حیرت کی بات یہ ہے کہ مستشرقین کی نیش زنی اس قدر ڈھکی چھپی ہوتی ہے کہ ایک صاحب بصیرت شخص ہی کو اس کا احساس ہو سکتا ہے، گویا وہ شربت کے جام میں زہر گھول کر پیش کرتے ہیں۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ یورپ کے مادی علوم سے ناپختہ اذہان اس قدر مرعوب ہیں کہ انہوں نے دینی و روحانی علوم میں بھی یورپ کی بالادستی کو تسلیم کر لیا ہے ؎

یورپ کی غلامی پہ رضا مند ہوا تو ؛ مجھ کو تو گلہ تجھ سے ہے یورپ سے نہیں ہے

اسی کا نتیجہ ہے کہ ہمارے نو تعلیم یافتہ نوجوان دینی و اسلامی علوم کو بھی یورپی فکر کی عینک لگا کر پڑھتے ہیں، ہمارے نوجوان فضلاء کو اتنی توفیق نہیں ہوتی کہ اسلامی علوم کا مطالعہ براہ راست کتاب و سنت کے مآخذ سے کریں، بلکہ مستشرقین نے اپنی ناقص تحقیقات کی بنا پر تاریخ اسلام اور کتاب و سنت کے متعلق جو کچھ لکھ دیا ہے۔ اس کو حرف آخر سمجھ لیا جاتا ہے۔ گویا غزالیؒ ابن تیمیہؒ، رازیؒ شاہ ولی اللہؒ اور مجدد الف ثانیؒ کو نظر انداز کر کے مستشرقین کے خوان کرم کی زلہ ربائی ہمارے نوجوانوں ہی کے حصہ میں آئی ہے۔ اس احساس کمتری اور غلامانہ ذہنیت پر جس قدر ماتم کیا جائے کم ہے۔ ؎

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے ؛ کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

ان مستشرقین نے ایک طرف اسلام کے دینی افکار و اقدار کی تحقیر کا کام کیا اور ادھر مسیحی یورپ کے

افکار و اقدار کی عظمت ثابت کی تاکہ تعلیم یافتہ طبقہ کا رابطہ اسلام سے کمزور پڑ جائے یا کم از کم یہ سمجھنے پر مجبور ہو کہ اسلام موجودہ زندگی کے مزاج کے ساتھ ہم آہنگ نہیں ہو سکتا۔ ایک طرف انہوں نے بدلتی ہوئی زندگی اور دورِ حاضر کی ارتقاء پذیری کا نام لے کر خدا کے آخری اور ابدی دین پر عمل کرنے کو روایت پرستی، رجعت پسندی اور دقیانوسیت کا مترادف قرار دیا۔ دوسری طرف ان پر ایسی تہذیب کو لا سوار کیا جس نے ان سے دینی حمیت و غیرت کا باقی ماندہ ورثہ بھی چھین لیا۔

یہ مستشرقین اپنے فلسفیانہ افکار کا لاؤ لشکر لے کر اسلامی دنیا پر حملہ آور ہوئے، وہ فلسفے جن کی تراش خراش بڑے بڑے فلاسفہ اور یگانۂ روزگار اشخاص کی ذہنی کاوش کی رہینِ منت تھی۔ مستشرقین نے ان پر ایسا علمی اور فلسفیانہ رنگ چڑھایا کہ معلوم ہو یہ فکرِ انسانی کی معراج ہے مطالعہ تحقیق اور عقلِ انسانی کی پرواز اس پر ختم ہے اور غور و فکر کا یہ وہ نچوڑ ہے۔ جس کے بعد کچھ اور سوچا نہیں جا سکتا۔

حالانکہ ان فلسفوں میں کچھ چیزیں وہ تھیں جو تجربات و مشاہدات پر مبنی تھیں۔ اور اس لئے صحیح تھیں۔ اور بہت سی چیزیں وہ تھیں جو محض ظن و تخمین اور فرض و تخیل پر مبنی تھیں۔ گویا ان میں حق بھی تھا اور باطل بھی، علم بھی تھا اور جہل بھی۔ یہ فلسفے مغربی فاتحین کے جلو میں آئے اور مشرقی عقل و طبیعت نے فاتحین کے ساتھ ساتھ ان کی اطاعت بھی قبول کر لی۔ ان لوگوں میں وہ بھی تھے۔ جنہوں نے ان کو سمجھ کر قبول کیا، مگر وہ کم تھے۔ زیادہ تر وہ تھے جو ذرا بھی نہیں سمجھے تھے لیکن مومن اور مسحور سب کے سب تھے۔ ان فلسفوں پر ایمان لانا ہی عقل و خرد کا میعار بن گیا۔ اور اس کو روشن خیالی کا شعار سمجھا جاتے لگا۔ مستشرقین کے زیرِ اثر یہ الحاد وار تداد اسلامی ماحول میں بغیر کسی شورش اور کش مکش کے پھیل گیا۔ نہ باپ اس انقلاب پر چونکے، نہ اساتذہ اور مربیوں کو خبر ہوئی اور نہ غیرت ایمانی رکھنے والوں کو جنبش ہوئی۔ اس لئے کہ یہ ایک خاموش انقلاب تھا۔ اس الحاد وار تداد کو اختیار کرنے والے کسی کلیسا میں جا کر کھڑے ہوتے نہ کسی معبد میں داخل ہوتے، نہ کسی بت کے آگے انہوں نے ڈنڈوت کی اور نہ کسی استھان پر جا کر قربانی پیش کی۔ سابقہ ادوار میں یہی سب علامات تھیں جن

سے کفر و ارتداد اور زندقہ کا علم ہوتا تھا۔

عزیزانِ محترم!۔ یہ ہے فتنۂ استشراق کا تاریخی پس منظر اس کا سرسری تعارف اور مستشرقین کے کام کا معمولی جائزہ۔ اس فتنہ سے کماحقہٗ آگاہ و آشنا ہونے کے لئے دراصل یہ نقطۂ آغاز اور ایک محرّک ہے کہ اس جانب عنانِ توجہ موڑ کر دیکھئے کہ مستشرقین نے رسول کریمؐ، قرآن حکیم اور دین اسلام کو کس طرح ہدفِ تنقید بنایا ہے۔ اور جانچیئے کہ آیا آپ کے ذخیرۂ علم و فضل میں اس کا شافی جواب موجود بھی ہے یا نہیں۔

اصل موضوع زیرِ تبصرہ یہی تھا کہ مستشرقین کے وارد کردہ اعتراضات کا جواب دیا جائے مگر میرے نزدیک اصلی مبحث پر گفتگو اس پس منظر کے بغیر نہ موزوں تھی نہ مفید، میرے لئے اس قلیل فرصت میں ممکن نہیں کہ مستشرقین کے کسی اعتراض کو پیش کر کے اس کا تفصیلی جواب پیش کر سکوں اس لئے اب صورتِ حال یہ ہے کہ اگر آپ کے قلب و ذہن کے کسی گوشے میں یہ جذبہ ابھرا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ سیرت کو مستشرقین نے جس طرح داغدار کیا ہے اس کی تفصیلات معلوم کریں اور پھر اس کے جواب کے درپے ہوں تو اس ضمن میں مطالعہ کی راہیں کھلی ہیں اور رہنمائی کے لئے میری خدمات حاضر ہیں۔ اس لئے کہ ہمارے علماء اس پہلو سے غافل نہیں رہے اور انہوں نے سیرت طیبہ کا پورا پورا دفاع کیا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ سیرت نبوی سے دفاع کا فریضہ انہی لوگوں نے ادا کیا جو رجعت پسند کہلاتے ہیں۔ کسی "روشن خیال" کو آج تک یہ توفیق نہیں ہوئی۔

سامعین عظام! مستشرقین کی برکات کے طفیل دنیائے اسلام آج ایک دینی، فکری اور تہذیبی ارتداد میں مبتلا ہے۔ یہ مصیبت ان تمام لوگوں کے لئے ایک المیہ سے کم نہیں، جو اسلام کا درد رکھتے ہیں۔ آج ہر اسلامی ملک کے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کا حال یہ ہے کہ اعتقاد و ایمان کا سرا ہاتھ سے چھوٹ چکا ہے، اخلاقی بندشیں وہ توڑ کر پھینک چکا ہے، تشکک والحاد، نفاق و ارتیاب کا ایک طوفان ہے جو ہمارے دل و دماغ میں بپا ہے، غیبی حقائق پر اعتماد متزلزل ہو رہا ہے، سیاست و اقتصاد کے مادہ پرستانہ نظریات فروغ پا رہے ہیں۔

اس کا واحد علاج یہ ہے کہ ہمارے نوجوان پورے اشتیاق و اخلاص کے ساتھ رسول عربیؐ فداہ ابی و امی کی پاکیزہ سیرت کا مطالعہ کریں، اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال کو اپنے لئے اوڑھنا بچھونا بنائیں۔ اس طرح ان پر یہ حقیقت آشکار ہو گی کہ رسالت مآب کی حیات طیبہ پاکیزگیٔ فکر و عمل اور بلندیٔ سیرت و کردار کا زندہ پیکر تھی۔ مگر یورپین مصنفین اپنے خبثِ باطن اور جذبات حقد و عناد کے باعث چمگادڑ کی طرح اس آفتاب درخشاں سے مستفید نہ ہو سکے اور ان کی آنکھیں اس کی تابانی و درخشانی کے سامنے خیرہ ہو کر رہ گئیں۔ ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم، چشمۂ آفتاب را چہ گناہ۔

خلاصہ یہ کہ عملی زندگی میں اتباعِ رسول کے بغیر ایمان و اسلام کا ادعاء، ایک دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اور ایک مومن کے لئے یہ متاعِ گراں بہا ہر دنیوی اثاثہ و سرمایہ سے عزیز تر ہے۔ ؎

بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست

اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است،

جناب اختر راہی، ایم اے،

علمِ ریاضی سے مسلمانوں کا اعتناء

قسط (۲)

سلسلہ کے لئے دیکھئے شمارہ اپریل ۱۹۷۱ء،

الجبرا :- علمِ ریاضی کی اس شاخ کا نام ہی اس بات پر شاہد ہے کہ اس کے خالق عرب ہیں۔ الجبرا پر قدیم ترین معلوم تحریر محمد بن موسیٰ الخوارزمی کی کتاب "المختصر فی حساب الجبر والمقابلہ" ہے جو اس نے ۸۲۵ء میں لکھی، محمد بن موسیٰ الخوارزمی مامون الرشید کے عہد میں شاہی رصد گاہ کا مہتمم اور شاہی کتب خانے کا ناظم تھا۔

الخوارزمی (۷۸۰ء تا ۸۴۷ء) نے اس علم کا نام "الجبر و المقابلہ" اس لئے رکھا تھا۔ کہ مساوات میں منفی رکن کو عمل انتقال سے دوسری طرف لے جانا "جبر" کہلاتا ہے اور متماثل ارکان کو یکجا کرنا "المقابلہ" مثال کے طور پر :-

(لا² - ۶ لا - ۳ = ۲لا) کو لا² = ۶لا + ۲ لا + ۳) لکھنا الجبرا ہے۔ اور۔

لا² = ۸لا + ۳، المقابلہ (۶ لا اور ۲ لا کو یکجا (جمع) کر دیا گیا ہے۔)

الخوارزمی نے اس کتاب میں دو درجی مساوات کے حل سے بحث کی ہے، مثال کے طور پر اس نے مندرجہ ذیل تین دو درجی مساواتوں کے حل پیش کئے ہیں۔

(۱) لا² + ۱۰لا = ۳۹

(۲) لا² + ۲۱ = لا

(۳) ۳لا + ۴ = لا²

ان مساواتوں کو حل کرنے میں خوارزمی نے صرف ایک ہی مثبت حل معلوم کیا یعنی پہلی مساوات کا حل (+۳) ہے۔ اسے دوسرے حل لا = - ۱۲ کا علم نہیں۔

خوارزمی کے اس اہم رسالے کا ۱۸۳۱ء میں ایف۔ روزن (F. ROSEN) نے انگریزی میں ترجمہ کیا۔ فریڈرک روزن نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ عربوں نے یہ فن ہنود سے حاصل کیا۔ اس مقصد کے لئے روزن نے بھاسکراچاریہ کی کتاب "لیلاوتی" اور "وجے گیتا" کے حوالے دیئے ہیں لیکن مثل مشہور ہے کہ "دروغ گو را حافظہ نباشد" اس لئے یہ حقیقت قطعی طور پر بھول گیا۔ کہ محمد بن موسیٰ الخوارزمی نویں صدی عیسوی کے آغاز میں تھا۔ "انسائیکلوپیڈیا آف اسلام" نے اس کی وفات ۲۲۰ھ بیان کی ہے۔ جو سن عیسوی کے مطابق ۸۳۵ء ہے اور بھاسکواچاریہ مصنف "لیلاوتی" بارہویں صدی میں گذرا ہے۔ لہٰذا یہ ممکن ہی نہیں کہ خوارزمی نے بھاسکراچاریہ کی خوشہ چینی کی ہو۔ بخلاف اس کے گمانِ غالب یہ ہے کہ بھاسکراچاریہ نے محمد بن موسیٰ سے معلومات اخذ کی ہوں۔

یورپ کے دوسرے متعصب مورخین بار بار لکھتے ہیں کہ خوارزمی کی کتاب میں کوئی خاص بات نہیں بلکہ یونانی ماہرین ریاضی سے ماخوذ ہے لیکن لطف یہ ہے کہ وہ اس کے ماخذ کی نشاندہی نہیں کر سکے۔ یہ کتاب یونانی مفکرین کے افکار سے اس لئے ماخوذ نہیں ہے کہ وہ مساواتوں کے غیر ناطق حل قبول نہیں کرتے جبکہ خوارزمی نے غیر ناطق حل بھی پیش کئے ہیں۔

خوارزمی کے بعد احمد النہاوندی (م ۱۰۴۰ء) نے کسور کی تقسیم اور جذر المربع دریافت کرنے کے طریقوں کی وضاحت کی اور ابراہیم الفزاری نے مکعب مساواتوں کے حل معلوم کرنے کے لئے الخوارزمی کا ہندسی طریقہ استعمال کیا

عمر خیام (م ۱۱۳۲ء) جو ایک شاعر کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہے، بنیادی طور پر ایک منجم اور ریاضی دان تھا۔ اس نے الجبرے کو بہت ترقی دی۔ اس نے اپنی کتاب میں دو درجی اور سہ درجی مساواتوں کے حل کو فروغ دیا۔ خیام کی یہ کتاب ۱۹۳۲ء میں امریکہ سے شائع ہو چکی ہے۔

خیام نے سہ درجی مساواتوں کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ سہ رکنی اور چہار رکنی مثلاً

لا³ + ۲لا² + ۴لا + ۵ = ۰ اور لا³ + ۲لا² + ۵ = ۰

پھر وہ ان کی ذیلی تقسیم بھی پیش کرتا ہے۔ خیام بھی الخوارزمی کی طرح مساواتوں کے منفی حل سے نابلد ہے۔ اسے یہ غلط فہمی بھی ہے کہ سہ درجی مساوات کو الجبرے کی رو سے اور چہار درجی کو جیومیٹری کی رو سے حل نہیں کیا جا سکتا۔

گیارہویں صدی عیسوی میں سیف الدولہ ہمدانی کے درباری ریاضی دان الفرشتی نے سہ درجی مساوات کے ہندسی اور حسابی حل تلاش کرنے کے علاوہ مقادیر اصم کے متعلق بعض بنیادی معلومات حاصل کیں۔ اس نے قدرتی اعداد کے مربعوں اور مکعبوں کے مجموعے یعنی Σn^2 (SIGMA n^2) اور Σn^3 (SIGMA n^3) کی قیمتیں بھی دریافت کیں۔

بعد ازاں انہی بنیادوں پر ابو الوفا، ابن الہیثم اور ثابت بن قرہ نے تحقیقات جاری رکھیں۔

عِلم مثلث (TRIGONOMETRY) عربوں کو علم ہندسہ کے افادی پہلو سے زیادہ دلچسپی رہی ہے، علم فلکیات میں انہیں مثلثی ہندسے کے استعمال کی ضرورت پیش آئی جس کے لئے انہوں نے مثلثی نسبتوں کی جدولیں مرتب کیں۔ آج علم مثلث میں نسبت تناسب کے جو بنیادی نظریے استعمال کئے جاتے ہیں، ان میں سے اکثر ایک صابئی المذہب البتانی (م ۹۳۰ء) نے مسلمانوں کی سرپرستی میں معلوم کئے تھے۔ اس نے یونانی ریاضی دان بطلیموس کے SINE کے غلط تصور کی نشاندہی کی تھی۔ البتانی عمود وتر کو "شیبا" کے لفظ سے ظاہر کرتا ہے۔ جس کا لاطینی ترجمہ (SINUS) ہوا اور بالآخر موجودہ شکل SINE اختیار کر گیا۔

البتانی نے SINE کے جداول ½ درجے کے وقفوں سے آٹھ مراتب اعشاریہ تک مرتب کئے۔ اس نے کروی مثلث کے حل کے لئے مندرجہ ذیل کلیہ بھی وضع کیا۔

جم ا = جم ب جم ج + جیب ب جیب ج جم ا ، یعنی

$$\cos A = \cos B \cos C + \sin B \sin C \cos A$$

الزرقانی اور دوسرے ریاضی دانوں نے گیارہویں صدی عیسوی کے دوسرے نصف حصے میں جداول طیطلی (TOLEDON TABLES) مرتب کئے۔ الزرقانی کی تالیف کا جیرارڈ کریمونی نے لاطینی میں ترجمہ کیا جو تین صدی مقبول رہا۔

ابوالوفا نے SINE کے جداول آدھے درجے کے وقفے سے نو مراتب اعشاریہ تک صحیح مرتب کئے۔ ابوالوفا کے اسی محنت طلب کام کے پیش نظر جارج سارٹن نے ابوالوفا کو ریاضی کے میدان میں ایک اہم شخصیت قرار دیا ہے۔

جابر بن فلاح نے اشبیلیہ میں اپنی کتاب "اصلاح المجسطی" کے لئے علم مثلث پر تمہید لکھی المجسطی بطلیموس کی تالیف ہے جسے البتانی نے عربی میں منتقل کیا تھا۔ جابر نے مثلث سے متعلق چند نئے فارمولے پیش کئے۔ مثال کے طور پر۔

جم ج = جم الف جم ب کا ضابطہ ایک ایسے مثلث کے لئے پیش کیا جس میں ج زاویہ قائم ہوتا ہے۔

تیرھویں صدی عیسوی میں علم مثلث کو جو بھی ترقی ہوئی وہ مسلمانوں کی کوششوں ہی کا نتیجہ ہے۔ اس صدی کے پہلے نصف حصہ میں زیادہ تر مراکش میں کام ہوا۔ حسن المراکشی نے عملی ہیئت الافلاک پر اپنی توجہ مبذول کی۔ اس نے ہر نصف درجے کے زاویے کی جدولیں ترتیب دیں۔ صدی کے دوسرے نصف حصہ میں نصیر الدین طوسی صدر معلم دارالعلم مراغہ (آذر بائیجان) نے ۱۲۵۹ء میں اپنی شاہکار کتاب "شکل القطاع" شائع کی۔ اس کتاب میں علوم ہندسہ اور مثلث کے جدید ترین مسائل اور تصورات شامل ہیں اور دو صدیوں تک ان کا جواب پیدا نہ ہو سکا۔ اس میں طوسی نے مستوی اور کروی مثلثوں کے حل کے اساسی قواعد بیان کئے ہیں۔ طوسی کے ایک مددگار محی الدین المغربی نے بھی "شکل القطاع" ہی کے نام

سے ایک کتاب لکھی جس میں طوسی کے مباحث کی مزید توضیح کی گئی۔

بارھویں اور تیرھویں صدی میں مسلمان حکماء کی ان کوششوں کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا قطعاً مبالغہ نہیں کہ اس دور میں مسلمانوں کا علمی مرتبہ دنیا بھر میں سب سے بلند تھا

ہم اچھے تھے

عبدالستار حماد، بی کام (آنرز) ایم کام (سٹوڈنٹ)

خود سے بیگانے نہ تھے ہم پہ کرم اچھے تھے،
جیسی اب ہے، ایسی حالت سے تو ہم اچھے تھے

گر مقابر کی جبیں سائی تھی منظور ہمیں،
جب وہ اچھے تھے، وہ کعبے کے صنم اچھے تھے

مسلک وحدانیت پہ ہے خزاں چھائی اب
غیر سے کیونکہ ترے راہ و رسم اچھے تھے

دین کے روپ میں ہر آن ہے اک بدعت نو
گرچہ مذہب کے اصول عام فہم اچھے تھے،

روشِ تقلید رسالتؐ سے وفا کرنے نہ دے
ہوتے تقدیر میں گر لوح و قلم اچھے تھے،

ہم نے ساقیؐ کے اشاروں کی نہ کی کچھ پرواہ
ورنہ جو دیتا تھا۔ وہ ساغر و خُم اچھے تھے

بدلے بدلے سے ہیں اطوار، عجب مشکل ہے
اس سے پہلے تو مرے اہل بزم اچھے تھے:

جانے بھر آئے ہیں کس درد و ستم سے حمّاد!
کچھ ہی پہلے دلِ ویران کے زخم اچھے تھے،

تصحیح شمارہ مئی سنہ ۱۹۷۱ء کے صفحہ ۴۴ پر نظم (حمد) کے دوسرے شعر کے آخر میں لفظ "دھواں" غلط ہے، قارئین "دھواں" کی بجائے "طوفان" پڑھیں۔ (ادارہ)

Regd. No. L. 7895 JULY, 1971

Monthly MUHADDIS Lahore-16

Islamic Research Council

Vol: I	JUMADAL-OOLA 1391 A. H.	No. 8

ماہنامہ **محدث** لاہور

صدر دفتر

مدرسہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)

گارڈن ٹاؤن - لاہور ۱۶

ذیلی دفتر

حافظ عبدالوحید اینڈ برادرز

رام گلی نمبر ۲ - لاہور

معاونت سے

زر سالانہ ۱۰ روپے

فی پرچہ ۹۰ پیسے

بیرون ملک

شرق اوسط ۱ پونڈ ۵ شلنگ

مغربی ممالک ۱ پونڈ ۱۰ شلنگ